

جاسوسی دنیا نمبر 8

مصنوعی ناک

(دوسرا حصہ)

پیشہ

یہ تاول ایک چیخ کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اس کا مرکزی کردار جابر صرف ڈاکو نہیں ہے، بلکہ میلر، خونی اور ساتھی ساتھ ایک بڑا مفکر اور سائنس داں بھی۔

قدم قدم پر آپ کو ایسی باتیں ملیں گی، کہ آپ کانپ کانپ انھیں گے۔ تنگی لا شوں کا چوتھا سے پنکھا پانچ ہزار کبوتروں کا خون۔
نواب رشید الزماں کی فریدی سے دشمنی اور پراسرار کنوں کا عجیب و غریب بوزہا ”طارق“ یہ سب آپ کو اسی تاول میں ملے گا۔ ایک اور بڑے ہرے دار آدمی کنور ظفر علی خاں جو ہمیشہ پراسرار بنا رہا ہے۔
اور جابر کا انجام وہ کون تھا کیا کرتا تھا
کیوں کرتا تھا؟ ان سب کا جواب مصنوعی تاک دے گی۔

اور آخر میں آپ کا ہر دل ہزیر ان پکڑ فریدی اس بار آپ کو بے انتہا مصائب میں گرفتار نظر آئے گا۔ غالباً یہ پہلی بار ہو گا کہ اتنے زبردست سراغ رسان کو جابر ٹوکوں کی طرح کھلا تارہا ہے۔
اس تاول کے بعد بھی آپ کے خطوط کا انتظار رہے گا تاکہ آئندہ تاول بھی اسی چیخ کے ساتھ لکھ سکوں۔

سفر

گرمیوں کا زمانہ تھا۔ میدانوں کے رہنے والے ذی حیثیت لوگ گری سے بچ کر رام گزہ کی شاداب پہاڑیوں میں پناہ ڈھونڈھنے جا رہے تھے۔ ان میں غیر ملکی سیاح بھی تھے، جنمیں رام گزہ کے آثار قدیمہ دیکھنے کی خواہش کھینچ لائی تھی۔

اس وقت پہاڑیوں کے پیچہ دم کھائے ہوئے اور پیچے پیچے راستوں پر ٹوٹوں اور چپروں کی قطاریں آہستہ آہستہ ریختی ہوئی نظر آرہی تھیں، حالانکہ یہاں بس سروس بھی ہے، لیکن بیتھرے مسافر محض متأثر فطرت سے لف اندوز ہونے کے لئے ٹوٹوں یا چپروں پر سفر کرتے ہیں، لیکن فریدی کے متعلق یہ وقوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے تغیریجا یہ راست اختیار کیا تھا یا پھر حید کو بچ کر نامقصود تھا۔ وہ راست بھراں کی جھلاہوں سے لف اندوز ہوتا آیا تھا۔ اس وقت بھی دھا سے بات بات پر چھپر رہا تھا۔ ایک جگہ پڑتے پڑتے دھنٹا حید کے چھرنے ٹھوکر کھائی اور گرتے گرتے بچا۔ حید گھبرا کر کو پڑا فریدی کو بھی اپنا چپر روک دیا پڑا۔
”اوے اوے یہ کیا بھی۔“ فریدی پس کر بولا۔

”جی کچھ نہیں بچا رہ تھک گیا ہے۔“ حید نے اسامنہ بنایا کر بولا۔ ”اب یہ مجھ پر سوار ہو کر بیتہ راست طے کرے گا۔ میں کہتا ہوں آخر..... آپ کو یہ سو جبی کیا تھی۔“

”بھی میں نے محض تمہاری تفریح کی خاطر یہ دردسری مولی تھی، ورنہ مجھے پاگل کئے نہ نہیں کاہا تھا۔“

”تفریح..... جنمیں میں گئی تفریح۔“ حید نے چپر کی لگام پکڑ کر یہاں پڑتے ہوئے کہا۔

"اُرے یہ کیا۔" فریدی مصنوعی حیرت کے ساتھ بولا۔ "تو کیا پیدل ہی چلو گے۔"

"جی ہاں.....!" حمید جھکنے دار لہجہ میں بولا۔

"چ چ..... لا خول والا قوت..... عجیب الحمق ہو..... دیکھو وہ انگلو اٹرین لڑکی جھیں

اس حالت میں دیکھ کر شائد اپنے ساتھیوں میں تمہارا منحصرہ اڑاہی ہے۔"

حید نے مزکر دیکھا تو واقعی چند انگلو اٹرین مسافر اس کی طرف دیکھ کر ہٹریہ انداز میں سکرا رہے تھے۔ ان میں اتفاق سے ایک لڑکی تھی۔ حید پر بوجھلاہت کا دورہ ہوا۔ اس نے ری کی رکاب پر جوئر رکھا اور اچھل کر خچر پر بینے گیا اور بیٹھا بھی تو اس شان سے جیسے نپولین اپنے قد آور گھوڑے پر سوار آپس کے دشوار گذار راستے طے کر رہا ہوا۔

"شاہاں میرے شیر.....!" فریدی سکرا کر بولا۔ "جھیں راہ پر لانے کے لئے ہمیشہ ایک عورت کی ضرورت پیش آتی ہے۔"

"جی ہاں میری پیدائش کے سلطے میں ایک عورت کی ضرورت پیش آئی تھی۔" حید جل کر بولا۔

"اُرے تم تو قلقہ بولنے لگے..... بھی میں دراصل اسی لئے تمہاری اتنی قدر کرتا ہوں۔"

"قدروانی کا ٹھکریہ۔" حید نے کہا۔ "اس وقت تو آپ بھی قفقی عی معلوم ہو رہے ہیں۔"

"کیوں.....؟"

"ایں سعادت بزور خچر نیست.....!"

"شاہاں..... میں نے ساہے کہ حضرت عیینی کا گدھا لٹکنی بولا تھا مگر تم خچر پر بینے کر اچھی خاصی قادری بول رہے ہو۔"

حید کے خچرنے پر ٹھوکر کھائی اور حید گرتے گرتے بچا۔

بینے سے پھر قبیلے بلند ہوئے اور حید دانت پیس کر رہا گیا۔ اسے حچھ فریدی پر غصہ آرہا تھا۔ اگر بس ہی سے سفر کیا جاتا تو کون سی مصیبت آجائی۔ کوئی سکھ ہے کہ سلامان اور مالازمین تو بس پر جائیں اور خود خچروں پر۔ فریدی کی ایسی ہی عجیب و غریب حرکتوں پر حید کبھی کبھی اتنی شدت سے بیزار ہو جاتا تھا کہ اس کی صورت تک سے نفرت معلوم ہونے لگتی تھی۔ ایسے موقعوں پر وہ بغیر یہ سوچے سکھے ہوئے کہ فریدی اس کا آفیسر ہے، جو کچھ منہ میں آتا اسے کہہ ڈالا اور فریدی۔ وہ اس کی چڑچاہت سے لطف اندوں ہوا کرتا تھا۔ وہ اس وقت بھی حید کی جلاٹی

ہوئی حرکتوں سے لفٹ لے رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم اس خچر کو کاندھ سے پر اٹھا لو۔" فریدی پھر بولا۔

حید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے پھرے سے ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے فریدی کے اس جملے

پر اس کے ذہن میں کوئی ایسا جملہ گوئچا ہو جئے نہ کہتا ہی بہتر تھا۔

"تماں تو اس طرح نہ مے نہ مے منہ کیوں بولا ہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"تو میرا منہ اچھا ہی کب تھا۔" حید مل کر بولا۔

"میرے خیال سے تو اچھا گام صاحب تھا۔"

حید پھر چپ ہو گیا۔

تحوڑی دیر بعد فریدی پھر بولا۔

"حید.....!"

"می.....!"

"اور ان سر بنز پہاڑیوں کی طرف دیکھو.....!"

"دیکھ رہا ہوں۔"

"کیا محسوس ہو گا ہے۔"

"ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں پر لے سرے کا گدھا ہوں۔"

"اور خچر پر سوار ہو۔"

حید نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔

"حید.....!"

"فرمائے.....!"

"اوہ اس چٹان کے پاس دیکھ رہے ہو..... وہ پہاڑی لڑکی۔" فریدی بولا۔

"مجھے فی الحال اس سے کوئی دلچسپی نہیں..... کیونکہ یہ پہاڑی خچر.....!"

"تماں ختم بھی کرو۔"

"ابھی یہ کم بجت مجھے ہی ختم کر دے گا۔" حید نے جھلا کر خچر کو ایک جھی رسید کرتے ہوئے کہا۔ خچر ایک ڈھلوان چٹان سے گذر رہا تھا۔ جھی پڑتے ہی اچھل پڑا۔ اگر حید فور آئی اس کی

کر دن سے تا پٹ جاتا تو گر جاتا تھی تھا۔

حید نے شیخے اہر کر اسے دوچار قبیل رسید کر کے لگام چھوڑ دی..... خچرڈ حلوان میں

دور تک چلا گیا۔

”اے صاب اے صاب۔“ خچر والا بیچھے سے چلایا اور وہ انگلو اٹھین لڑکی اپنے ساتھیوں سمت تجھے لگاتے گئی۔ حید کو اس کی سرطی آواز تھر معلوم ہونے لگی۔ اس نے پلٹ کر قبھر آکو دنگا ہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ فریدی بھی اپنے خچر پر سے اتر پڑا۔

خچر والا حید کے خچر کو پکلنے کے لئے دوڑا جادہ تھا۔

”کیوں بھی یہ کیا کیا تم نے۔“ فریدی نے حید سے کہا۔

”اپ بہتر بھی ہے کہ آپ مجھے کسی لوچی چنان سے شیخ دھکیل دیں۔“ حید ہائپا ہوا بولا۔

”نبیں میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔“ فریدی نے شراحت آمیز مکراہست کے ساتھ کہا۔

”میں نے بہت بُرائی کا آپ کے ساتھ چلا آیا۔“ حید بولا۔

”لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔“

”میں اپنی مرضی کا مالک ہوں۔“

”غلا..... میں باعده کر لاتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”بھلا تمہارے بغیر خاک لطف آتا۔“

”آخر آپ میرے بیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔“

”بہت پرانے بد لے چکار ہوں۔“

”تو اس کے لئے اتنا لباہز کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“

”ایہ و خچر.....!“

اتھی دیر میں خچر والا خچر کو داپس لے کر دیں آگیا۔

”پلو بیٹھو.....!“ فریدی بولا۔

”ہر گز نہیں۔“

”بھیب احقیق آدمی ہو۔“

”کچھ بھی سکی۔“

”بیٹھو بیٹھو.....!“ فریدی نے دوبارہ اصرار کیا۔

”میں اس سے زیادہ ایڈ و پچر چاہتا ہوں۔“ حید نے کہا۔
”یعنی.....!“

”پیدل چلوں گا.....“ حید نے کہا۔ اور آپ کو بھی اس کی صحیت کرتا ہوں پیدل چلنا
صحت کے لئے مفید ہے۔“

”پاگل ہوئے ہو..... ابھی چھ میل چلتا ہے۔“
”تو کیا ہوا!.....!“

”اُرے بھی یہ پہلا ذری راستہ ہے۔ ایک ہی میل چلنے میں کام تباہ ہو جائے گا۔“
”یعنی تو میں چاہتا ہوں۔“ حید لاپرواں سے بولا۔
”عجیب الحق سے واسطہ پڑا ہے۔“

”خدا کا شکر ہے کہ الحق کے خپر سے واسطہ نہیں پڑا۔“ حید نے کہا۔
”اُرے بھی بخوبی بھی۔“

”قطعنی نہیں..... میں اپنے ایڈ و پچر کا خون نہیں کر سکا۔“ حید بولا۔

”جہنم میں جاؤ!.....“ فریدی نے کہا اور اپنے خپر پر سوار ہو کر آگے بڑھ گیا۔
خپر والا خپر کی لگام پکڑے ہوئے حید کے ساتھ ہی ساتھ پیدل چل رہا تھا۔ تھوڑی دور
جا کر فریدی بھی لوٹ آیا۔

”لے بھائی سنجال اسے۔“ فریدی اپنے خپر کی لگام بھی خپر والے کو تمہاتے ہوئے بولا اور
حید کے ساتھ پیدل چلنے لگا۔

”ذرا ان سر بر پہلاؤں کی طرف دیکھئے..... کیا محسوس ہوتا ہے۔“ حید مسکرا کر بولا۔
”ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ابھی تمہاری شامت آنے والی ہے۔“ فریدی نے کہا۔
”آئے شوق سے آئے..... آخر شامت بھی موئٹ ہی تو ہے۔“

”یوں تو موت بھی موئٹ ہے میاں صاحبزادے۔“
”لیکن بہت بڑھی ہو چکی ہے اس لئے مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔“ حید مسکرا کر بولا۔
”خیر..... شکر ہے کہ تم مسکراتے تو۔“
”تو میں روکب رہا تھا۔“

دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔

”آخر آپ کو یک بیک رام گذھ کی کیوں سو جبی۔“ حیدرولا۔

”جا بر.....!“

”اوہ..... تو آپ اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔“

”میں تم کھا پکا ہوں۔“

”میں آپ کو اس کی موجودگی کی کوئی باقاعدہ اطلاع ملی ہے۔“

”نہیں.....!“

”یعنی.....!“

”یہاں کچھ واقعات ایسے ہوئے ہیں جن کی بناء پر میں سچنے پر مجبور ہوا ہوں۔“

”میرے خیال سے یہ ضروری نہیں کہ ان کا تعلق جابری سے ہو۔“ حیدرولا۔

”یہ تم بھن اس لئے کہ رہے ہو کہ اس کے طریقوں سے واقف نہیں ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیا تم نے آج تک کسی کوتار کے بخوبی کے زہر میلے ہونے کے متعلق بھی سنائے۔“

”نہیں.....!“

”مگر کسی شخص کی موت کوتار کے ناخن لٹکنے کی وجہ سے ہو جائے تو تم اسے کیا کہو گے۔“

”ایک حرث اگنیز واقعہ اور ناقابل یقین بھی۔“

”آتنا ہی ناقابل یقین جتنا زہر خورانی کے کیس کا مرگی کے عادتی میں تبدیل ہو جاتا۔“

”اوہ.....!“

”رام گذھ کے نوجوان کوتار بازار بیس کی موت اس طرح واضح ہوئی۔ وہ ایک کوتار پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتفاقاً کوتار کا پیچہ لگ گیا اور ایک سختی کے اندر وہ سر گیا۔ بعد میں کوتار کے بخوبی کا معاشر کرنے پر پہنچا کر اس کے ایک ناخن پر کسی دھمات کا ایک ہلکا ساخول چڑھا ہوا تھا۔ بہر حال بادی انٹکر میں وہ ناخن ہی معلوم ہوا تھا اور وہ خول زہر میا تھا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کسی معمولی آدمی کا کام ہے، جابر زہر دل کاما ہر ہے۔“

”خیر یہ بھی سکی۔“ حیدرولا۔ ”لیکن آپ اسے کہاں کہاں ڈھونڈھتے پھریں گے۔ ممکن

ہے کہ وہ آپ کی آمد کی اطلاع سن کر کہیں اور چلا جائے۔“

”دیکھا جائے گا۔“

”ہم نہ سرسے گے کہاں۔“

”دلکشاںیں.....!“

”یہ کیا ہے۔“

”ایک عمارت کا ام.....بڑی پر فضائیکہ پر آباد ہے۔“

”اچھا اس کو تروالے معاشرے کو کتنا عرصہ ہوا۔“

”تقریباً ایک ہفت۔“

”ایسے عجیب و غریب حادثے کے حقائق و اخبارات میں بھی آنا جائے تھا۔“

”ہاں اس بات کی تشریف نہیں کی گئی۔ واقعہ دراصل یہ ہے کہ مرنے والے میں وہ ساری
سلامات موجود تھیں جو زہر کھائینے پر ظاہر ہوتی ہیں، اس لئے لوگوں نے بھی سمجھا کہ اسے کسی نے
زہر کھلایا ہے۔ رام گندھ کے ایسے بیان نے تحقیقات کے دوران میں پہنچا کر اس نے مرنے سے
ایک گھنٹہ قبل کوئی کبوتر پکڑا تھا۔ اس نے یہ بھی بلا مقصد کبوتر کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ جس
وقت وہ اسے ہاتھ میں اٹھایے دیکھ رہا تھا اس نے پنج چلانے شروع کر دیے۔ اتفاق سے اس کا
ایک ناخن ایسے بیان کے کوٹ کے بین میں پھنس گیا۔ اس نے جھٹکے کے ساتھ اسے نکالنے کی
کوشش کی..... ناخن تو نکل آیا لیکن اس پر چڑھا ہوا خول کوٹ ہی میں انکارہ گیا۔ یہ ایک تعجب
خیز چیز تھی۔ اس نے خول نکال کر احتیاط سے رکھ لیا اور کبوتر کو بھی اپنے ہمراہ لینا آیا۔ اس نے
تجربہ کے لئے اس توکلے خول کو ایک بیان کے چھپو کر دیکھا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ بھی ترپ
ترپ کر مر گئی۔ محاملہ حد درجہ جنیدہ ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے اس کا تذکرہ اپنی پرپورٹ میں
نہیں کیا۔ پہلے تو وہ خود ہی پوشیدہ طور پر کبوتر کے حقائق چھان بنن کرتا رہا لیکن جب کامیابی نہ ہوئی
تو اس نے مجھے لکھا۔ وہ میر اکلاں فلورہ چکا ہے۔ اسی لمحے میں اس کی درخواست کو ووٹ کر سکا۔“

”تو آپ نے اس کا تذکرہ مجھ سے کیوں نہیں کیا۔“ ”جیسید بولا۔“

”اگر میں پہلے سے اس کا تذکرہ کر دیتا تو تم یہاں آنے کے لئے کبھی چھٹی نہ لیتے۔“

”تو اس کا یہ مطلب کہ آپ مجھے دھوکا دے کر بیہاں لائے ہیں۔“

”بھی سمجھو.....!“

”اب میں بہت جلد یہ ملازمت چھوڑ دوں گا۔“ حمید نے کہا۔
 ”لیکن کیا تم مجھے چھوڑ سکو گے؟“ فریدی نے پوچھا۔
 ”لیکن تو سب سے بڑی مصیبت ہے۔“
 حمید خاموش ہو گیا۔ وہ چلنے چلتے تھک گیا تھا۔
 ”کوئی بھی کیا واقعی بیوں ہی چلو گے۔“ فریدی بولا۔
 ”تو ادھ تو بیکی تھا..... مگر خیر.....!“ حمید نے کہا اور چروالے کے ہاتھ سے لام بے کر
 چھپر سوار ہو گیا۔
 فریدی نے بھی اس کی تحلید کی۔
 ”فی الحال ہم توگ ماختر کے بیہاں چلیں گے۔“
 ”ماختر کون.....!“
 ”بیہاں کا ایس۔ بی۔ جس نے ہمیں بالایا ہے۔“

دوسرا کبوتر

فریدی اور حمید رام گذھ کے ایس۔ بی کے بیٹگلے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ایس۔ بی اُن سے کیس کی تفصیلات بیان کر رہا تھا۔
 ”بس یہ سمجھ لو کہ میں کی موت کے بعد سے میری تحقیقات کی گاڑی ٹھپ ہو جاتی ہے۔“
 ایس۔ بی بولا۔

”مرنے والے کی سو شل پوزیشن کیا تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔
 ”تو اب زادہ شاکر ایک انتہائی با اخلاق آدمی تھا اور سوسائٹی میں عزت کی نظر دوں سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ تھا تو جوان ہی لیکن بڑھوں سے زیادہ عقل مند تھا۔ غیر شادی شدہ تھا۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت کبوتروں یا کتابوں پر صرف کرتا تھا۔ عجیب بات تھی کہ وہ گوشہ نشین ہوتے ہوئے بھی

انہائی سو شل آدمی تھا۔ اس سے ملنے والے اُسے تہائی پسند نہیں سمجھتے تھے، حالانکہ وہ سو فیصدی تہائی پسند تھا۔ یہ اُس کے کردار کا ایک عجیب و غریب پہلو تھا۔ کسی نے آج تک اُسے کسی سے لڑتے بھگتے نہیں دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس کا کوئی دشمن ہی نہیں تھا۔“

”تمہارا بہت عیاش تو ضرور رہا ہو گا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”میں نے اس کے متعلق کبھی کوئی ایسی بات نہیں سنی جس سے اس کا عیاش ہوتا تھا۔“ اور یہاں کوئی ایسا ریکارڈ نہیں جس کے رگ دریشے سے میں واقعہ نہ ہوں۔“

”یہاں اُس کے ساتھ کون کون رہتا تھا۔“

”صرف چند توکر..... اس کا کوئی عزیز قریب اُس کے ساتھ نہیں رہتا تھا۔“

”کوئی ایسا عزیز جو اُس کی موت کے بعد اس کی جائیداد کا مالک ہو سکے۔“

ایسی پلی کچھ سوچنے لگا۔

”ہاں..... ایک صاحب ہیں..... نواب اختر الزماں کی بیوہ۔“

”مر نے والی سے اس کا رشتہ.....!“

”بیچاڑا دہمن۔“

”عمر.....!“

”یہی کوئی چوپیں پھیس سال..... ایک سات آٹھ سال کی بھی بھی ہے۔“

”مر نے والے سے اس کے تعلقات کیے تھے۔“

”اپنے ہی تھے..... ویسے کچھ زیادہ در باد و بخط بھی نہ تھا۔“

”تم نے اُس سے اس کیس کے متعلق گنتگلو ضرور کی ہو گی۔“

”ہاں وہ بہت مفہوم تھی۔“

”میرا مطلب یہ نہیں..... تم نے اُس سے گنتگلو کرنے کے بعد کیا نتیجہ اخذ کیا۔“

”یہی کہ اس پر کسی قسم کا شہر نہیں کیا جاسکتا۔“

”شہر نہ کرنے کی وجہ۔“

”وہ ایک بہت ہی شریف گورت ہے۔“

”یہ تو کوئی وجہ نہ ہوئی۔ آخر تم اُسے شریف کس بناء پر سمجھتے ہو۔“

”اس کا اندازہ تو تم اسے دیکھ کر ہی لگا سکو گے۔“

”یعنی اس کا یہ مطلب کہ وہ صورت سے شریف معلوم ہوتی ہے۔“

”نہیں بھی یہ بات نہیں۔“ اُس پر زخم ہو کر بولا۔

”خرا سے ہٹاؤ۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”اس کے خاص خاص دوستوں میں کوئی ایسا آدمی ہے جس پر شہر کیا جاسکے۔“

”میں نے ہر ایک کو اچھی طرح مٹول کر دیکھ لیا ہے۔ ان میں سے بھی کوئی ایسا نہیں جس پر شہر کیا جاسکے۔“ اُس پر نے جواب دیا۔

”اس کے دوستوں میں کوئی کوئی ترباز ہے۔“

”ہاں..... یہی تو سکی ایک صاحب۔“ اُس پر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”صلیق انہ صاحب ریشارڈ چنج۔“

”کیسے آدمی ہیں۔“

”ابھی آدمی ہیں۔“

”میں ذر اُس کو تراور اس کے ناخن پر چڑھے ہوئے خول کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“

اُس پر نے کوئی تمنگیا جو ایک بھرے میں بند تھا۔

”کوئی تو اچھی نسل کا معلوم ہوتا ہے..... شیرازی ہے۔“

”میں کوئی تروں کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔“ اُس پر بولا۔

حمد اُس کے ناخن پر چڑھے ہوئے خول کو دیر تک دیکھتا رہا۔

”واقعی مجرم بذرا ذین معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی بولا۔

”اس میں تک نہیں۔“

”اچھا تھوڑا سادہ کاغذ تو دو۔“

اُس پر نے میز پر سے پیدا اٹھایا۔ فریدی لکھنے لگا۔

دس ہزار روپیہ انعام

”اُس شخص کو دیا جائے گا، جو ہندوستان کے مشہور ڈاکور اہل کو مردہ یا زندہ لائے گا۔ ہم

یہاں اُس کی تصویر چھاپ رہے ہیں تاکہ پیلک اُس سے ہوشیار رہے۔ رال ان لوگوں میں سے ہے جو ذرا فراسی بات پر قتل کر دیتا ہے۔ آج کل اُس نے رام گنڈھ میں اڑہ بنار کھا ہے۔ پیلک کو ہوشیار رہنا چاہا ہے۔“

فریدی نے جیب سے ایک تصویر نکال کر اُس تحریر کے ساتھ اُس۔ پیلی کو دے دی۔
”یہ اشتہار بختی جلد ممکن ہو سکے چھپوا کر بٹوادو۔“ فریدی نے کہا۔

اُس۔ پیلی نے اُسے پڑھا اور حیرت آمیز نظر وہ سے فریدی کو دیکھنے لگا۔
”میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”میرے کام کرنے کے طریقے دوسروں سے کچھ الگ واقع ہوئے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔
”مگر میں حکام بالا کو اس کا کیا جواب دوں گا۔“ اُس۔ پیلی بولا۔

”کہہ دیتا کہ اس میں ایک مصلحت پوشیدہ ہے۔“

”مگر یہ رال ہے کیا بلا اور اس کیس سے اس کا کیا تعنت۔“

”بھی میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”تو رہاں دیکھو! اس کے علاوہ زبانی افواہیں اڑانے کی کوشش کرو کہ نوابزادہ شاکر کی موت میں بھی اسی رال کا باتھ ہے۔“

”بھی میرے تو کچھ سمجھو ہی میں نہیں آتا۔“ اُس۔ پیلی بے بھی سے بولا۔

”نی الحال کچھ زیادہ سمجھنے کی کوشش مت کرو۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ اس کیستیش کے

سلسلے میں میرا پہلا قدم ہے۔“

اُس۔ پیلی خاموشی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

”اچھا تو اب ہم چلیں۔“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”ہاں مجھے اخڑا زماں کی بیوی اور صدیق احمد کے پتے بھی دو۔“

اُس۔ پیلی نے ایک کاغذ پر دونوں کے پتے لکھ کر فریدی کو دے دیے۔

دکشاکی طرف واپس جاتے وقت حیدر نے فریدی سے کہا۔

”آخر یہ رال والی بات کیا تھی۔“

”آخر دن سے میرے ساتھ ہو گرا بھی تک عجل نہ آئی۔“ فریدی نے کہا۔ ”ارے میاں ساجزوے اگر یہ نہ کرتا تو جابر سے ہاتھ دھولینے پڑتے۔ تم جانتے ہو کہ میں بیٹھ مجرموں کو

دھو کے میں جلا کر کے کام کرتا ہوں۔"

"تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جابر اس مرتبہ بھی دھو کر کھا جائے گا۔" حید نے کہا۔

"ضروری نہیں۔"

"پھر اس سے کیا فائدہ۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بلا کاڑ ہیں ہے لیکن شاید قابو میں آئی جائے۔"

"آپ کے لئے میں مایوسی ہے۔" حید بولا۔

"ہاں..... جابر کو پکڑنا آسان کام نہیں۔ یقین جانو میں خود کو اس کے سامنے مظلہ کھب سمجھتا ہوں۔ بھیں بدلتے کے معاملے میں وہ تو اپنا جواب نہیں رکھتا۔"

"تب تو اللہ ہی مالک ہے۔" حید نے کہا۔ "میں اپنی جان کا بھی خطرہ ہے۔ معلوم نہیں وہ کب وار کر پیشے اور ہمیں اطلاع نکلنے ہو۔"

"خراں کی تو کچھ پرواد نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "کیونکہ ایک سراغ رسائی کو ہر وقت مرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔"

"میں آپ سے تم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آج تک خود کو سراغ رسائی سمجھا ہی نہیں۔"

"نہیں تم بہت اچھے سراغ رسائی ہو۔"

"آپ کو غلط نہیں ہوئی ہے۔"

"خیر..... ہاں..... کیوں نہ لگے ہاتھ صدیق احمد صاحب سے بھی ملتے چلیں۔"

فریدی نے کہا۔

دکشا جانے کے بعد دنوں البرٹ روڈ کے چوراں نے پر شرق کی طرف مڑ گئے۔ صدیق احمد کا بیگل ایک پر فضام قائم پر واقع تھا۔ بیگل کے سامنے ایک و بصورت سلسلہ ایک باغ تھا جس میں جا بجا کوئی ترخانے بنے ہوئے تھے۔ ایک ادیز عمر کا وجہہ آدمی سفید قیفیں پہنے کھڑا ایک کوئی کے پیچے دیکھ رہا تھا۔

"یائج صاحب تشریف رکھتے ہیں۔" فریدی نے اس کے قریب بیٹھ کر کہا۔

"اوی.....!" کہہ کر وہ اس طرح چونکا کہ کوئی ترہاتھ سے نکل کر اڑ گیا۔

وہ فریدی اور حبیب کو سوالیں لگا ہوں سے گھور رہا تھا۔
”ہم لوگ مجھ صاحب سے ملتا چاہتے ہیں۔“

”لیکن کیوں ملتا چاہتے ہیں۔“ وہ بار عجب آواز میں بولا۔ پھر فور آئی سنجھل کر کہنے لگا۔ ”فرمائیے۔“
”اوہ..... تو آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔“ فریدی نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔
”خوشی تو مجھے بھی ہوئی۔ مگر آپ ہیں کون۔“ صدیق احمد بادل ناخواستہ تھا جس طلاق ہوا بولا۔
”مجھے احمد کمال کہتے ہیں۔“ فریدی قدرے جھک کر بولا۔ ”اور یہ ہیں میرے دوست حمید
..... ہم دونوں بغرض سیاقی آئے ہوئے ہیں۔“

”کیا مجھ سے کوئی کام ہے۔“

”میں نہیں..... بات یہ ہے کہ مجھے بھی کوتروں سے تحوزی بہت دچکی ہے۔“
”ضرور ہو گی۔“ مجھ صاحب، لاپرواں سے بولے۔
”میرے ایک دوست نے آپ کا تذکرہ کیا تھا۔“
”لیا ہو گا.....!“

”آپ کے یہاں شیرازی پاموز بکثرت ہیں۔“ فریدی نے جالی کے بننے ہوئے کوتراخانوں
کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں ہاں..... ہیں تو.....!“

”اور میرا خیال ہے کہ ایسے پاموز شاید یہاں کسی کے پاس ہوں۔“

”چاپوں سی بند۔“ مجھ صاحب نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”میرے پاس بر باد کرنے کے لئے
فالتو وقت نہیں۔ میں اپنے ملنے والوں کو باقاعدہ وقت دیا کرتا ہوں۔“

”بہت بہتر.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”تو پھر ہم لوگ کب حاضر ہوں۔“

”میرے پاس وقت نہیں ہے۔“

”کوئی اسکی جلدی نہیں..... ہم یہاں گر میوں بھر قیام کریں گے۔“

”مجھے گر میوں بھر فرمات، نہیں رہے گی۔“ مجھ صاحب جھینجھلا کر بولے۔

”تو پھر ہمیں مجبور آجاؤں میں ہمیں یہیں قیام کرنا پڑے گا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”عجیب آدمی ہیں آپ۔“

"بہر حال..... میرے ایک دوست نے ایک صاحب کا پہنچا کر آن کے پاس آپ کے کوئی تروں سے بہتر کوئی نہیں۔" فریدی نے واپس ہونے کے لئے مرتے ہوئے کہا
"کون صاحب ہیں وہ۔"

"تواب زادہ شاکر صاحب۔"

"شاکر.....! "جیج صاحب مسکرا کر بولے۔ "آپ لوگ یہاں کب آئے ہیں۔"

"کل.....!"

"ای لئے شاکر سے ملنے جا رہے ہیں۔" جیج صاحب نے جیب سے روپ اور نکالتے ہوئے کہا
"لیکن میں تم لوگوں کو اس کے پاس پہنچا سکتا ہوں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے پر سکون لجھے میں کہا۔

"تم کیوں سمجھنے لگے..... سمجھو گے اس وقت جب ہاتھوں میں ہھڑیاں پڑی ہوں گی۔"

"یعنی.....!"

"چور کہیں کے۔" جیج صاحب گرجے۔

"ڈرائیور سے بات سمجھئے۔" حمید آپ سے باہر ہو کر بولا۔

"خاموش رہو بھائی.....! جیج صاحب غصے میں معلوم ہوتے ہیں۔" فریدی حمید کا شاند تھکتے ہوئے بولا۔

"تم لوگوں کی دیدیہ دلیری اور سینہ زوری تمہیں ہر گز نہ پچا سکے گی۔"

"میرے کاسنی پاموز کی مادہ جس کے سر پر سفید چوٹی ہے تمہیں لے گئے ہو اور اب شاید جوڑا پورا کرنا چاہیے ہو۔ اتنا یاد رکھو کہ میں پولیس کے خواں کے بغیر نہ مانوں گا۔" جیج صاحب نے بدستور پستول تانے ہوئے کہا۔ "یا تو پھر اُسے واپس کر دو۔"

فریدی نے مسکرا کر حمید کی طرف دیکھا جو کھڑا چیخ و تاب کھارہاتا۔

"شاید آپ کا داماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"نہیں حمید.....! جیج صاحب بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ کیا تم نے ابھی تھوڑی دیر قبل ایک سفید چوٹی دار کاسنی پاموز نہیں دیکھا تھا۔" فریدی نے حمید سے پھر کہا۔ پھر جیج صاحب کی طرف دیکھ کر بولا۔ "لیکن جیج صاحب مجھے افسوس ہے کہ اس وقت آپ کا دادہ کوئی تر پر نہ نہذنت

پولیس مژہ ماتھر کے پاس ہے۔"

"فضول بکواس کے لئے میری پاس وقت نہیں۔" نجح صاحب گرج کر بولے۔ "میں کہتا ہوں سید گھی طرح بتا دو..... ورنہ کیا فائدہ۔"

"اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو میرے ساتھ ان کے بیٹھنے تک پہنچے۔" فریدی نے کہا۔
"یہ عجیب تم ظریغی ہے کہ ایک چور مجھے ایس۔ پی کے بیٹھنے پر لے جادہ ہے۔"
"آپ چل کو تو دیکھئے۔"

"خیر میں جھوٹے کواس کے گھر تک پہنچانے کا عادی ہوں۔" نجح صاحب نے کہہ کر تو کرو آواز دی۔

"ذر اذرا سیور سے کہنا کہ اسٹشن ویکن تو نکالے۔"

نجح صاحب نے فریدی اور حمید کو اسٹشن ویکن میں بھالیا۔ تین تو کر ساتھ لئے اور مژہ ماتھر کے بیٹھنے کی طرف روانہ ہو گئے۔

ماھر صاحب شاید آفس جانے کے لئے تیار تھے۔ وہ برآمدے ہی میں تھے کہ یہ لوگ بھی گئے۔ فریدی اور حمید کو اس حالت میں دیکھ کر کہ نجح صاحب ان کے پیچے پیچے روپا اور تانے چل رہے تھے ماھر صاحب حیرت سے اچھل پڑے۔

"اُرے اس کا کیا مطلب.....!" ماھر صاحب بولے۔

"یہ دونوں چور مجھے آپ کے پاس لائے ہیں۔" نجح صاحب بولے۔

"چور.....!" ماھر صاحب کی حیرت اور بڑھ گئی۔

"ہاں..... انہوں نے میرا ایک کبوتر چلا�ا ہے اور مجھے یہ کہہ کر یہاں لاے ہیں کہ وہ آپ کے پاس ہے۔"

"نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" ماھر صاحب بولے۔ "یہ دونوں میرے دوست ہیں۔"

"دوست.....!" نجح صاحب چونک کر بولے۔

"می ہاں..... یہ ہیں ملک کے نامور جاؤں انسپکٹر فریدی اور یہ ان کے اسنٹ مژہ حمید۔"

"اُرے.....!" نجح صاحب اچھل پڑے۔ "تب تو بڑی غلطی ہوئی۔"

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ پھر ماھر صاحب سے بولا۔ "ذر اواہ کبوتر تو ملکوادا۔"

کو تر کا اخبار و دیکھتے ہی نج صاحب اچھل پڑے۔
”بھی ہے بالکل بھی ہے۔“ وہ جیسا تھا بولے۔

”لیکن ابھی آپکی خوشی خوف میں تبدیل ہو جائے گی۔“ فریدی نے پر سکون لجھے میں کہا۔
”کیا مطلب.....؟“

”اس کو تر کو ایک شخص کی جان لینے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔“
”ہائی.....!“ نج صاحب اچھل کر بولے۔

فریدی نے شروع سے آخر تک سارے واقعات بتانے شروع کئے۔
نج صاحب کے منہ پر ہوا یاں اڑ رہی تھیں۔

”میں آپ سے بھی کہتا ہوں کہ مجھے ان واقعات کا کوئی علم نہیں۔ رام گندھ کا پچھے بچھ جانتا ہے
کہ میں شروع سے ایماندار زندگی بسر کر رہا ہوں اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آخر اسکی
موت سے مجھے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔“ نج صاحب نے کہا۔

”بھی تو سوچنے کی بات ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن اس کے اعزہ میں کوئی ایسا ہے جس کو
اس کی موت سے کوئی فائدہ پہنچ سکے۔“

”ہے تو.....!“ نج صاحب پچھے سوچتے ہوئے بولے۔ ”لیکن اس کے متعلق کسی حرم کی
بدگمانی کرتا کم از کم میرے امکان میں تو نہیں۔“
”کون ہے۔“

”اس کی پچازاو بہن..... نواب اختر الزمال کی بیوہ۔“

”تو اس پر شہادت کرنے کی کیا واجہ ہو سکتی ہے۔“

”یہ تو آپ اس سے مل کر ہی محوس کر سکتے گے۔“

”خبر..... دیکھا جائے گا..... یہ بتائیے کہ یہ کو تر آپ کو طاکہاں سے تھا۔“

”میں نے ایک شخص سے پورا جوڑا خریدا تھا۔“

”تو کیا دوسرا بھی آپ کے پاس موجود ہے۔“

”بھی ہاں۔“

”میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔“

نجی صاحب نے یہ سختی تو کروں کو دوسرا کبوتر لانے کے لئے بھیج دیا۔
”وہ شخص کہاں رہتا ہے جس سے آپ نے کبوتر خریدے تھے۔“ فریدی نے نجی صاحب سے پوچھا
”یہ میں نہیں جانتا..... وہ کبوتر لے کر میرے پاس آیا تھا..... کبوتر اتنے اچھے تھے کہ
میں نے اس سے زیادہ بات چیت نہیں کی۔“

”اس کا حلیہ یاد ہے آپ کو۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں..... ایک ادیگر عمر کا آدمی تھا۔ لیکن کافی تو تناشد رہست اور قد آور تھا۔ مظلوم کا
الحال معلوم ہوتا تھا۔ لیکن انداز گنگلو سے پڑھا لکھا اور شریر معلوم ہوتا تھا کہنی موچھیں اور فرج
کٹ ڈاڑھی تھی اور ناک کے پاس ایک بڑا سا بھرا ہوا علی تھا۔ بولنے میں کچھ ہکلا تا بھی تھا۔“
یہ گنگلو ہوزری تھی کہ نجی صاحب کے نوک کبوتر لے کر آگئے۔ فریدی نے جیب سے چڑے
کے دستانے نکالے اور انہیں پہنکن کر کبوتر کے بیچوں کا جائزہ لینے لگا۔
”اس کے بیچوں میں کچھ نہیں۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

فریدی نے نجی صاحب سے اور بھی بھیرے سوالات کر دیں۔ لیکن وہ کسی خاص نتیجے پر
نہیں پہنچ سکا، البتہ تماض روہا اور اس نے نجی صاحب کو بھی مخلوق لوگوں کی فہرست میں داخل
کر لیا اور انہیں کبوتروں کے متعلق زبان بند رکھنے کی ہدایت کر کے رخصت کر دیا۔

جان پہچان والے

اُسی دن شام کو فریدی اور حید نواب اختر الزماں کی کوئی خوشی میں موجود تھے۔ خدمت گارنے
ان کا استقبال کر کے انہیں ملا قاتی کمرے میں پہنچا دیا تھا اور اب وہ وہاں بیٹھنے لیکم صاحب کی
تشریف آوری کا انتظار کر رہے تھے۔

تحوڑی دیر بعد ایک دروازے میں لکے ہوئے ریشمی پردے کو جبکش ہوئی اور ایک نازک
اندام نوجوان عورت اُن کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی چمپنی رنگت پر ریشم کی سفید ساری

بہت زیادہ کھل رہی تھی۔ بڑی بڑی نشانی آنکھیں باریک اور گہرے سیاہ ابر و دوں کے نیچے جادو سا جگاتی معلوم ہو رہی تھیں۔ اوپر کی ہوتی میں اوپر کی طرف بلکا سا گھاؤ تھا۔ کانوں کی لوؤں کے قریب رخساروں کا سلاسلہ سا بھار بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے ابھی وہاں سے لندتوں کے سوتے انل پڑیں گے۔ دونوں اُسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

”تشریف رکھئے۔“ اُس نے مترنم آواز میں کہا۔

فریدی اور حیدر بیٹھے گئے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ وہ حد درجہ شر مکمل تھی۔ فریدی سے آنکھ ملتے ہی اُس کے چہرے پر گہری سرخی دوڑ گئی تھی۔ وہ گفتگو کرتے وقت اپنی نظریں زیادہ تر پیچی ہی رکھتی تھیں۔

”میں ایک بہت ہی غمناک دلتنے کی یاد دلانے کے لئے حاضر ہو اہوں۔“ فریدی نے کہا۔
عورت نے سر اٹھا کر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر نظریں جھکالیں۔

”میرا مطلب یہ ہے کہ میں نوابزادہ صاحب کی افسوس ناک موت.....!“
”تو کیا آپ ان کے کوئی دوست ہیں۔“ عورت بولی۔

”مجی نہیں..... ہمارا تعطیل حکمہ پولیس سے ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ میں کئی بار پولیس والوں کو بیان دے چکی ہوں۔“ عورت کچھ ناخوشگوار بچھے میں بولی۔

”آپ میرا مطلب غلط سمجھیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں آپ کو کسی قسم کی تکلیف دینے کے لئے حاضر نہیں ہوں۔ میں تو آپ سے ان کے چند نجی معاملات کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ بشرطیک آپ خوشی سے اس کے لئے تیار ہوں۔“

”بھلامیں ان کے نجی معاملات کے بارے میں کیا بتائیں گے۔“

”مجھے تواطیع ملی ہے کہ آپ ان کی سگی پچاڑ اور بہن ہیں۔“

”آپ کو صحیح اطلاع ملی ہے۔“ عورت بولی۔ ”اور میں بار بار ان کے غم کو تازہ نہیں کرنا چاہتی۔“ عورت کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

”میں واقعی آپ کو تکلیف دے رہا ہوں..... مگر کیا کروں مجبوری ہے۔“

”جو کچھ پوچھنا ہو پوچھئے..... اگر مجھے علم ہو گا تو ضرور جواب دینے کی کوشش کروں گی۔“

”کیا اس دوران میں مر جوم نے اپنی شادی کی کوشش کی تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔

عورت چونکہ پڑی۔

”شادی.....!“ وہ فریدی کو غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ”مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔“

”کیا آپ دونوں کے تعلقات خوٹگوار نہ تھے۔“

”اگر مجھے اس کا علم نہ ہو تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میرے اور ان کے تعلقات خوٹگوار نہیں تھے۔“

”اگر آپ کو اس سوال سے تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔“

”کوئی بات نہیں۔“

”مجھے یہ خیال دراصل اس لئے پیدا ہوا کہ یہاں آپ کے علاوہ ان کا اور قریبی عزیز نہیں تھا۔ ایسی صورت میں یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ انہوں نے آپ سے مشورہ لیا ہو۔“

”اگر ان کا ایسا خیال تھا تو مجھے خود حیرت ہے۔ وہ مجھ سے اس کا تذکرہ ضرور کرتے۔“

”مجھے باوثوق ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ وہ اپنی شادی کی فکر میں تھے۔“

”ممکن ہے رہے ہوں۔“

”اور میرا ذائقہ خیال ہے کہ انہوں نے خود کشی کی۔“

”خود کشی.....!“ عورت چونکہ کربولی۔

”مجھیاں.....!“

”مگر خود کشی کی وجہ۔“

”محبت میں ناکامی.....!“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“

”جس لڑکی سے وہ شادی کرنا چاہیے تھے شاکن اس نے انکار کر دیا تھا۔“

”اوہ.....!“

فریدی خاموش ہو گیا۔ وہ تھوڑی دیر یک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔

”مجھے سخت حیرت ہے کہ مجھے اس کی اطلاع نہ ہو سکی، ورنہ ان کی ہر ممکن حد کرنے کی کوشش کرتی۔“

”یہ دل کا معاملہ ہے بیگم صاحبہ..... وہ لڑکی ان کے ساتھ شادی کرنا نہیں چاہتی تھی تو آپ بھی کیا کر سکتی تھیں۔“

”یہ بھی نحیک ہے۔“ عورت بولی۔ ”میں اس لڑکی کا نام اور پیدائشان پاہتی ہوں۔“

”جسے افسوس ہے کہ مجھے خدا بھی تک اس کا نام اور پیدائش معلوم ہو سکا۔“

”تب تو یہ مجھے افواہ ہی معلوم ہوتی ہے۔“ عورت بولی۔ ”شاکر بھائی خود کشی نہیں کر سکتے اور وہ بھی ایک عورت کے لئے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔“

”اسی پر تو مجھے بھی حیرت ہے کیونکہ میں نے ان کے متعلق سنائے کہ وہ ایک قلمی قسم کے آدمی تھے۔“ فریدی نے کہا اور اس کے بعد پھر خاموشی چھاگئی۔

”آپ کے علاوہ ان کا کوئی اور بھی قریبی عزیز ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”بھی نہیں۔“

”تب تو ان کی جائیداد بھی.....!“

”بھی ہاں مجھے ہی ملے گی۔“ عورت اس کی بات کا نتی ہوئی بولی۔ ”اور یہی سب سے بڑی صیبت ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو شاید مجھ سے اتنی مر جب سوالات نہ کئے جاتے۔“

”آپ پھر میرا مطلب غلط سمجھیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں نے یہ بات یو نجی کہدی تھی ورنہ اس کا متعلق مجھ سے نہیں۔“

”کچھ آپ ہی پر مختص نہیں..... بیترے سبی سمجھتے ہیں کہ میں نے ان کی جائیداد کے لائق میں انہیں زہر دلوادیا ہے۔“

”میں آپ سے پہلے یہ عرض کر چکی ہوں کہ یہ خود کشی کا کیس ہے۔“ فریدی جلدی سے بولا۔

”لیکن میں اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں۔“

”پھر آخر آپ کا کیا خیال ہے؟“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا خیال قائم کروں۔“

”آن کا کوئی دشمن۔“

”وہ ایسے آدمی ہی نہیں تھے کہ کوئی ان کا دشمن ہو سکے۔“

”خیر بہر حال یہ خود کشی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔“ فریدی نے کہا۔

"میں کافی سوچ پھر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔"

ابھی یہ گفتگو ہوئی رہی تھی کہ برآمدے میں کسی بھاری بھر کم قدموں کی آواز سنائی دی۔
"نیکم صاحب ہیں۔" کسی نے برآمدے میں پوچھا۔

اور پھر کمرے کے دروازے پر ایک قد آور صحت مند آدمی دکھائی دیا۔ چہرے کے خطوط کافی حد تک دلاؤ دیتے تھے۔ باریک تر شی ہوئی گہری سیاہ موچیں اُس کے سرخ و پیہید پھرے پر ایک دلکش اضافہ تھیں۔ اس کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ رہی ہو گی، لیکن ظاہری صحت کے اعتبار سے وہ اصل عمر سے کچھ کم ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے سر میں رنگ کے بلکے سرخ کا سوت پہن رکھا تھا، جو مطلقاً برا آکو ہونے کی وجہ سے نہایت موزوں تھا۔ بہر حال وہ لباس کے معاملے میں کافی خوش سیاق معلوم ہوتا تھا۔

عورت اُسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔ فریدی اور حمید کو بھی اس کی تعلیم کرنی پڑی۔

"آئیے آئیے..... کتو ر صاحب۔" عورت بولی۔

"آپ لوگ تشریف رکھئے۔" تو وارڈ نے ایک صوف پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

فریدی نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ دیدہ دانستہ ان کی طرف سے لاپرواںی برتنے کی کوشش

کر رہا ہو۔

"کچھ اور پوچھتا ہے آپ لوگوں کو۔" عورت بولی۔

فریدی اس کا مطلب سمجھ گیا۔

"میں نہیں... تکلیف دی کی ایک بار پھر معافی پا ہتا ہوں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگوں کی تشریف.....!" تو وارڈ بولوا۔

"پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔" عورت نے کہا۔

"اوہ.....!" اس نے اس انداز میں کہا جیسے اس کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

حمد فریدی برآمدے میں نکل آئے۔ وہ پھانک کے قریب کچھ ہی تھے کہ ایک کار کا پاؤ نہ کے اندر داخل ہوئی۔ فریدی اور حمید ایک طرف ہو گئے۔

"گارے..... فریدی۔" کسی نے کار کے اندر سے کہا اور فریدی چلنے چلتے رک گیا۔

آواز کچھ جانی پہجانی سی تھی۔

"اے آپ.....! فریدی کے منہ سے بے اختیار لگا۔

کار سے تواب رشید الزماں اور غزالہ اتر ہے تھے۔

"آپ یہاں کہاں۔" غزالہ اپنی زندگی سے بھر پور مسکراہٹ کے ساتھ ہو گئی۔

"یہ بھی عجیب اتفاق ہے۔" فریدی نے کہا۔

"شاکر کی موت کی خبر سنی تھی، کیا یہاں بہت نیک لڑکا تھا۔ سعیدہ غزالہ کی کیلی ہے۔

غزالہ نے مجبور کیا کہ ماتم پر سی کے لئے چلانا پا گئے۔ ویسے یوں بھی اس بار میرا ارادہ رام گزدھ آتے کا تھا، لیکن تم یہاں کیسے؟"

"شاکر کی موت کی بارے میں کچھ اطلاعات بھی پہنچانے آیا تھا۔" فریدی بولا۔

"تو کیا تم اس کام کے لئے خاص طور پر بala گئے ہو۔"

"جی نہیں..... اپنے ایک دوست کے لئے کام کر رہا ہوں۔"

"کچھ پڑھ للا۔"

"جی نہیں..... معاملہ بہت نیڑھا نظر آتا ہے۔"

"یہ بھی عجیب حادثہ ہوا ہے۔" غزالہ بولی۔

ابھی یہ لوگ انٹکو کری رہے تھے کہ برآمدے میں سعیدہ کھڑی ہوئی دکھائی دی۔ پہلے تو وہ

کچھ دریک انہیں گھورتی رہی پھر تیز تیز قد موس سے چلتی ہوئی ان کے قریب آئی۔

"جتاب والا..... غالباً میرے مہماں کو ان معاملات سے کوئی سروکار نہیں۔" وہ فریدی

کو مخاطب کر کے تیز لپجھ میں بولی۔

"اے..... اے بھی۔" تواب صاحب بولے۔ "یہ تو اپنا فریدی ہے۔"

"فریدی..... کیا مطلب.....!" سعیدہ چونک کر بولی۔

"احمد کمال فریدی..... میرے ایک مر جوم دوست کی نشانی اور ایشیا کا مشہور ترین سراغر سا۔"

سعیدہ تھوڑی دریک فریدی کو حیرت آمیز نظروں سے دیکھتی رہی پھر دفھا سنجبل کر بولی۔

"مجھے اپنے رو یہ پر ندامت ہے..... بھلا میں کیسے جان سکتی تھی کہ آپ کون ہیں جب

کہ آپ لوگوں نے اپنا کمل تعارف ہی نہیں کرایا تھا۔"

"کوئی بات نہیں..... میں نے آپ سے شکایت تو کی نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

”غزال سے میں نے آپ کی کافی تعریف سنی ہے..... اور آپ واقعی میں بھی تعریف کے قابل ہیں۔“ سعیدہ نے کہا۔

فریدی خاموش رہا۔ اس کی نظریں سعیدہ کی طرف برادرگی رہیں۔ سعیدہ کے چہرے پر کسی تم کے کوئی آثار نہ تھے۔ نواب رشید الزماں اس گھرے سکوت سے نجک آکر بولے۔

”اچھا میاں اب تم جاؤ..... مگر شام کا کھانا ساتھ ہی رہے گا۔ کیوں نہیں سعیدہ۔“

”میں ہاں..... مجھے معلوم نہ تھا کہ فریدی صاحب اور آپ لوگوں کے تعلقات ایسے ہیں..... ورنہ بس خود یہ پیش قدمی کرتی۔“ سعیدہ کے الفاظ میں خونگواری اور مصنوعی اخلاق کے ملے جملے جذبات نمایاں تھے۔ مگر فریدی نے ان کا کوئی اثر نہ لیا۔

برآمدے میں کنور صاحب کو دیکھ کر سعیدہ نے غزال سے کہا۔

”آج بہن چلیں..... اطمینان سے باتمی ہوں گی۔“

”تو پھر..... فریدی صاحب آپ ضرور آرہے ہیں۔“ غزال نے مڑتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... فریدی صاحب تو ضرور آئیں گے..... یہ بیکنڈ اونٹ حاضر ہو سکے گا۔“

حید نے کچھ اس طرح منہ بنا کر کہا کہ سعیدہ بھی بے اختیار نہیں پڑی۔ ہستے ہستے اس کی لگادہ کنور صاحب پر پڑی۔ وہ بھلکی اور پھر تیزی سے قدم بڑھاتی ہوئی آگے بڑھی، غزال کے ٹھوکے پر اُس نے منماتے ہوئے کہا۔ ”ابھی بتاتی ہوں، مری کیوں جادی ہے۔“

نواب رشید الزماں بھی برآمدے کے قریب آچکے تھے۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا، فریدی اور

حید دروازے سے باہر جا چکے تھے۔

کنور ظفر علی خاں

اوھ اور ہر کی بات چیت کے بعد غزال پوچھ یہ پیشی۔

”مگر تم نے یہ نہیں بتایا کہ کنور صاحب کون ہیں۔ میرا جہاں تک خیال ہے اس سے پوشر

میں نے کہی ان کو تمہارے بیہاں نہیں دیکھا اور نہ اختر بھائی کے دوستوں میں ایسے کوئی کنور صاحب تھے۔“

سعیدہ سنتی رعنی اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔

”یہ تمہارے ان کے بہت پرانے دوستوں میں سے ہیں۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ اتنی جلد تم سے انہیں ملا دوں۔ وہ کچھ بھلی آدمی ہیں۔ شاید تم ان سے مل کر خوش بھی نہ ہو سکو۔ شاکر بھائی مر حوم اور کنور صاحب سے ایک معمولی سی کتاب پر جھکڑا ہو گیا تھا۔“

آخری جملہ کہتے کہتے اسے احساس ہوا جیسے وہ کوئی ایسی بات کر گئی ہو جو اُس نے کہنا چاہئے تھی۔ اپنے ساتھ غزالہ کو لئے ہوئے وہ بڑی فوج کے معلوم ہے اک نزد صاحب اس کی آئندہ سالہ پنجی ریحانہ کے ساتھ پائیں باغ میں کھیل رہے ہیں۔

غزالہ اور سعیدہ جب پائیں باغ میں پہنچیں..... کنور صاحب ریحانہ کو گود میں اٹھائے ہوئے تاکر رہے تھے۔ انہوں نے بے شمار تبلیاں اور بھوزرے پکڑ رکھتے اور ان سب کو ذور سے باندھ رکھا تھا اور سب ذوروں کا آخری سر اُن کی گردن سے بندھا ہوا تھا۔ اُن کے ٹانپے کے ساتھ ساتھ تبلیاں بھی اور ہر اور گھوم رعنی تھیں۔ معصوم ریحانہ اس کھیل سے بہت خوش تھی۔ سعیدہ اب تک خاموش تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”غزالہ..... آؤ تمہیں کنور صاحب سے ملا دوں۔“

”ہاں کنور صاحب..... آپ سے ملتے۔ آپ میری عزیز ترین سیلی غزال خانم اور آپ ہیں کنور خلفر علی خاں۔ اُن کے قدیم جگری دوست اور میرے بہت بڑے ہمدرد اور سہارا۔“ کہتے کہتے اُس کی آنکھیں چکل اٹھیں۔

کنور صاحب نے سعیدہ اور غزالہ کی طرف دیکھا اور قدرے خلک اور دکھے لجھے میں بولے۔ ”چلنے گھر میں چل کر بیٹھیں۔ شام کو آپ کے کچھ مہماں بھی شاید آئیں گے۔“

شام کے کھانے پر حید اور فریدی مدعا تھے۔ قاعدے کے مطابق انہیں رات سات بجے پہنچ جانا چاہئے تھا۔ مگر سازھے آٹھ ہو چکے تھے اور ان کا کہیں پہنچنے تھا۔ مجبوراً نواب رشید الزماں نے حیدہ سے کہا۔ ”اب انتقال فضول ہے..... کھانا لگاؤ وو..... خود اپنے ہاتھ سے مرغ پکایا۔“ مگر ان سکھوں کی قسمتی میں نہ تھا۔ پھنس گئے کہیں۔“

کھانا میز پر لگادیا گیا تھا۔ نواب رشید الزماں مرغ کی ٹانگ کاٹ کر علیحدہ ہی کرتا
چاہے تھے کہ جنگ کی آواز کے ساتھ کمرے کے سب بلب ثوٹ کر زمین پر آرہے۔ ایک بلب
نواب صاحب کی بے حد رغوب ڈش شہ پسند دال میں گرا اور گرم گرم دال ان کے چہرے پر پڑی۔
فائز کی پہلی چھ آوازوں کے بعد ایک سینڈ کے لئے بالکل سناتا ہو گیا۔ نواب صاحب نے
دیکھا کہ دو شخصوں نے سعیدہ اور غزالہ کے منہ بند کر رکھے تھے اور انہیں اخفاۓ لئے جا رہے
تھے۔ وہ چینے مگر جیچ نکلنے سے پہلے ہی اتنے زور کا اوار ان کے اوپر پڑا کہ وہ تیور اکر گر پڑے۔ بلکی بلکی
دھندلی دھندلی ٹکلیں ان کے سامنے سے گزراں۔ ان میں سے ایک فریدی بھی تھا۔ ان کا ہاتھ
اخدا اور پھر گر پڑا۔

کنور صاحب اس حادثہ کے لئے بالکل تیار نہ تھے۔ روشنی گل ہوتے ہی وہ بڑا اکر اٹھے اور
قبل اس کے وہ کچھ کر سکیں ان کے سینہ پر پستول لگا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہیں سامنے
والے آدمی نے کہا۔ ”خبردار اگر ایک لفڑی بھی منہ سے نکلا۔ چپ چاپ کھڑے رہو۔“
آواز انہیں کچھ ماوس سی معلوم ہوئی۔ انہوں نے آنکھیں چھاڑ کر دیکھا۔ صح والا انکنٹر
فریدی انہیں گھور رہا تھا۔

اتنے میں ان کے ساتھی نے آگر کہا۔ ”استاد کام ہو گیا۔ اب چنانچاہے۔“

”اچھا..... کنور صاحب ایسے ہی کھڑے رہئے۔ اگر ذرا بھی جنبش ہوئی تو نہ صرف آپ
ختم ہو جائیں گے بلکہ یہ لڑکی بھی اس دنیا میں نہ رہے گی۔“ فریدی نے ریحانہ کی گردان پکور کمی
تھی۔ مخصوص لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بہرہ رہے تھے۔ اس کا بھولا چہرہ اس اندر میرے میں بھی
روشن تھا۔ اس آدمی نے آہتے سے کہا۔ ”کنور صاحب اپنی اندر کی جیب میں رکھا ہوا کاغذ مجھے
دے دیجئے۔ نوازراوہ شاکر کی موت کے سلسلے میں یہ کاغذ خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر آپ یہ کاغذ
مجھے دے دیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ کیمیا نانے والی کتاب نوازراوہ کی قبر سے نکال لاؤں گا۔ آپ
غريب نوازراوہ کے قاتل ہیں۔ آپ نے ان کے خون سے ہاتھ رکھے ہیں۔ بہتر ہے کہ یہ کاغذ
مجھے دے دیں یہ سب راز میرے سینے میں دفن رہیں گے۔“

”وہ کاغذ میرے پاس نہیں ہے۔“ کنور صاحب نے ہکا کر جواب دیا۔

”اچھی بات ہے..... میں خود ہی نکالے لیتا ہوں۔“ وہ اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے بڑھا۔ کنور صاحب کی جیب سے ایک سنہری دستہ کا پا تو ایک روپال اور ایک روپر کی ملی تھی۔ کاغذ کا پتہ تھا۔ مایوسی ظاہر کرتے ہوئے اس نے اپنے ساتھی کو اشادہ کیا۔ وہ عاتب ہو گیا۔ اس نے آخری بار کہا۔

”کنور صاحب..... نواب زادہ شاکر کے سوتیلے بھائی..... لیفٹینٹ باقر آگئے ہیں۔ آپ کی سعیدہ ایک جپن پاسکے گی۔ خیر فی الحال وہ میرے ساتھ جا رہی ہے۔ میرے استاذ حمید نے اُسے پسند کر لیا ہے۔ آپ خود ہی سمجھ دار ہیں۔ مگر آگاہ کرنا فرض ہے۔ اگر میرا یا حمید کا نام کبھی آپ کی زبان پر آیا یا میرے آج کے واقعہ کا ذکر چڑرا..... تو یہیا کی کتاب کی دفتی پر لکھی ہوئی عبارت عدالت میں پیش کردی جائیں گی اور خود کشی کا یہ کیس قتل کا مقدمہ بن جائے گا..... خدا حافظ۔“

”وہ جا چکا تھا۔ کمرے میں اب بالکل سناتا تھا۔ کنور صاحب نہم بے ہوشی کے عالم میں تھے۔ کافی دیر کے بعد انہوں نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس کا کہیں پتہ نہ تھا اور بھی ایک پستول سامنے سے ہٹ چکا تھا۔ ریحانہ بیہوش پڑی ہوئی تھی۔ کمرے میں اندھیرا بدستور تھا۔ انہوں نے تو کروں کو آوازیں دیں، مگر ان میں سے کوئی نہ بولا۔ وہ دو قدم آگے بڑھے اور دھائیں.... خٹھک کر کے انہوں نے دوسری طرف قدم بڑھایا اور پھر وہی آواز سناتی دی۔

”معلوم ہوتا ہے پرانے بچا گئے ہیں۔“ وہ بڑیائے۔ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے کسی طرح وہ دروازے تک پہنچے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ چھٹی کھول کر وہ باہر آئے۔ روشنی میں آتے ہی انہوں نے چیخ کر تو کروں کو بلایا۔ مگر کوئی نہ بولا۔ تک آکر وہ ان کے کروں کی طرف گئے۔ ہر ایک میٹھی نیند کے حرے لے رہا تھا۔ لاکھ جگانے پر بھی وہ نہ جاگ سکے۔ مجبوراً انہیں تو کروں کا خیال ترک کرنا پڑا۔ ان کا خیال تھا کہ غائب لکھن کاٹ دیا گیا ہے۔ پھر بھی انہوں نے برآمدے کا سونج دبایا برآمدے میں روشنی پھیل گئی۔ اسی روشنی کے سہارے وہ کمرے میں پھر آئے۔ نواب صاحب اور ریحانہ کو وہاں سے اخفا نے کے بعد انہوں نے فون انھیا۔

”پلیس دفتر میں سب اسکرٹ نے پوچھا۔“ ہیلو کون ہے۔“

کنور صاحب نے کہا۔ ”میں کنور ظفر علی خاں ہوں، اختر لاج سے بول رہا ہوں۔ فور آئے ما تمہر صاحب ہیں۔“ جواب ملا۔ ”نہیں.....“ اچھا نئے اگر فریدی صاحب اور حمید صاحب ہوں

تو انہیں بھی لیتے آئے گا۔"

مگر وہ لوگ سات بیکے سے غائب ہیں۔ "ہوں" کہہ کر انہوں نے فون رکھ دیا۔

پولیس انپکٹر بمل مکری کے آنے تک کنور صاحب اپنی ذہنی اجھنوں پر قابو پا چکے تھے۔ وہ بار بار یہ سوچ رہے تھے کہ کہیں انہوں نے دھوکا تو نہیں کھایا۔ مگر وہ خلل بالکل انپکٹر فریدی کی تھی۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ انپکٹر فریدی نہیں تھا تو آخر مجھے وہ منع کیوں کر گیا۔۔۔۔۔ اگر فریدی نہ ہوتا تو۔۔۔۔۔ وہ مجھے منع نہ کرتا۔۔۔۔۔ وہ اگر فریدی تھا تو اس نے ایسا کیوں کیا۔۔۔۔۔ انپکٹر فریدی ایشیا کا مشہور اور ہر دلعزیز سر اُر رسان اور۔۔۔۔۔ شیرا۔۔۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا۔" آخراں کار انہوں نے یہ طے کر لیا کہ وہ سب انپکٹر کو یہ بتادیں کہ اس شخص کی خلک بالکل فریدی سے ملتی تھی۔

مسڑ کمری کو پورا بیان لکھوانے کے بعد انہوں نے کہا۔ "میں نے اُسے دیکھا تھا۔ اُس کا حلیہ اور شاہت۔۔۔۔۔" ان کا فقرہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ گولی چلنے کی آواز سنائی دی اور سامنے کی کارنس پر سے ایک کبوتر پھر پھر اکر گرا اور مر گیا۔ کنور صاحب رک گئے۔ ان کے لئے یہ خطرہ کا سکتل تھا۔

"اُبھی تک وہ موجود ہے۔" دل ہی میں انہوں نے فریدی کو ایک موٹی سی گالی دی۔ سامنے ترپ کر مرنے والے کبوتر میں انہیں خطرہ کی جھلک نظر آئی۔ انپکٹر کمری گولی کی آواز عی کے ساتھ سپاہی بیجھ چکا تھا اور جب سپاہیوں نے آکر یہ روپرٹ دی کہ کوئی نہیں ہے تو انہوں نے سپاہی چاروں طرف پھیلا دیئے اور پھر کنور صاحب کی طرف مخاطب ہوئے۔ "آپ بیان جاری رکھیں۔۔۔۔۔ مگر خبر ہے۔۔۔۔۔ یہ کبوتر۔۔۔۔۔؟ مگر یہ پالتو نہیں جنگلی ہیں۔"

"مجی ہاں۔۔۔۔۔ ان کبوتروں کو "شگون" کے خیال سے رہنے دیا تھا۔" کنور صاحب بولے۔ انپکٹر کمری نے پھر کہا۔ "ہاں وہ بیان لکھا رہے تھے۔ اُس آدمی کا حلیہ۔۔۔۔۔!" انہوں نے قلم اٹھایا۔ "مجی وہ لمبا ساتھ رست آدمی تھا۔ بھیاک اور ناک کے پاس ایک گل تھا۔" غیر شوری طور پر کنور صاحب کے منہ سے نکل گیا۔

انپکٹر نے بیان فوٹ کیا۔ حفاظت کے لئے سپاہی چھوڑ کر وہ سعیدہ اور غزال کی واپسی کا یقین دلاتے ہوئے باہر نکل گیا۔

مصنوعی بیوی

سعیدہ کے گھر سے واپسی پر عی حمید کے پیٹ میں چوہ ہے کو دنے لگے تھے کہ آخر وہ کور صاحب کون تھے؟ سعیدہ کی اکھڑی اکھڑی گنگلنے اُسے یقین کرنے پر مجبور کر دیا تھا کہ بہر حال شاکر کے قل میں کہیں نہ کہیں سعیدہ کا ہاتھ ضرور ہے، اس کے باوجود بھی اس کے ذہن میں سعیدہ کی تصویر ہنا پہنچتی تھی، مگر پھر بھی اس میں بے پناہ جنسی کوشش تھی۔ اس کے کان کی لوئی..... اس کے تمثالت ہوئے رخادر..... لورسپ سے بڑھ کر سڈول کندنی کلاسیاں..... وہ گم ہو گیا۔ خاموشی سے اکتا کہ اس نے فریدی سے پوچھا۔ ”سعیدہ کے بارے میں کیا خیال ہے۔“

”غیمت ہو،“ وہ لئے لئے.....! ”فریدی طنز یہ بولا۔

”نہیں..... نہیں..... کس خچر کے پیٹے کا خیال بھی اس طرف لیا ہو۔ میں تو نہ کر کے قل کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔“ حمید کچھ جیتنے ہوئے بولا۔

”تم نے کچھ کچھ تو نحیک ہی سوچا ہے..... بہر حال شاکر کے گھر چل رہے ہیں، شاید وہ کام کی بات تکل آئے۔“

شاکر کی کوئی پوچھ لیں کا سخت پہرہ تھا۔ پوچھ کچھ پر معلوم ہوا کہ کوئی صاحب لیغشینٹ، باقر تشریف لائے تھے اور اپنے کوسویا ابھائی بتا گئے ہیں۔ آج رات میں وہ بھی جا رہے ہیں اور پر سوں تک واپس آجائیں گے۔ عدالت سے وہ حکم اتنا ہی شاکر کی وراشت کے سلسلے میں نکلا چکے ہیں۔ اس کی اطلاع شاید سعیدہ خاتون کو مل چکی ہو گی۔

اتھی باتیں جانے کے بعد فریدی گھر میں داخل ہوں۔ لا بھری یہی میں دو ہزار کے قریب کتابیں تھیں۔ ان میں سے تھوڑی سی تعداد اگر بیزی اور اردو کے شرعاً پر مشتمل تھی، بقیہ علم

الحولات، جلاتات جولات، کیما، سکبا، فلسفہ قدیم و جدید پر کتابیں مشتمل تھیں۔ کوتروں کی بچان، کوتروں کے فوائد پر ایک بڑا ساقمی نہ تھا۔ کتابیں کچھ جرمن، کچھ فرنچ کچھ لاطنی زبان ہیں تھیں۔ سامنے ایک بڑا سا سیف تحریر پر روح اور اس کی ماہیت کے عنوان سے ایک کتاب پڑی تھی۔ کتاب کی جلد پر ”کنور ظفر علی خاں“ کا نام درج تھا۔ اندر کا ایک صفحہ پختا ہوا تھا۔ فریدی چون کا اور چشم زدن میں وہ اس کی جیب کے اندر تھا۔ حمید خاموشی سے اپنے استاد کا طریق کار دیکھ رہا تھا۔ اسے الجھن ہو رہی تھی کہ آخر اس الٹ پلت کا مطلب کیا ہے اور اس سے کیا نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔

فریدی سے جھلا کر اس نے کہا۔ ”میرے خیال میں یہ کتابیں خوبی ہیں۔“

”اوی..... ہوں..... ہاں بالکل ٹھیک کہتے ہو۔“ فریدی نے اپنی الٹ پلت جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”مجی ہاں..... دیکھئے..... اس موٹی سی کتاب نے اپنے بخوبی سے شاکر کا گلا گھونٹ دیا۔“
”وہ مر گیا..... مگر..... مگر..... یہ کیا.....!“ جھلاہٹ میں ایک موٹی سی کتاب لئتے ہوئے حمید نے یہ جملے کہے تھے۔ مگر وہ کتاب بالکل سادی تھی۔ البتہ بخوبی میں قلمی خاکے اور تصویریں بھی ہوتی تھیں۔ ایک جگہ خوبی پیچہ تھا اور اس کے نیچے کچھ لکھا ہوا تھا، جسے حمید نہ پڑھ سکا۔ اس نے کتاب اختیار کیا۔ ”یہ بھوت خانے کا نادر نہ دیکھئے.....“
فریدی اسے دیکھتے ہی بہوت رہ گیا۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اسے کسی سانپ نے کاٹ لیا ہو۔ وہ چینا۔ ”حمد فور آؤ۔“

”میں نہیں آتا.....!“ بھاگتے ہوئے فریدی کے پیچھے اس نے دوڑتے ہوئے کہا۔
فریدی باہر نکلا۔ اس نے پاہیوں کو ہدایت کی کہ کسی شخص کو اندر نہ رکھنے دیا جائے اور پھر تھی سے پیدل اشیش کی طرف بھاگنے لگا۔

اس تمام کھون اور تفتیش میں رات کے دس بجے چکے تھے۔ کافی رات ہو جانے کی وجہ سے رام نڈھہ ڈپہاڑی طلاق سنان پڑا تھا۔ سڑک پر سوائے حمید اور فریدی کے دو ڈنے کی اور کوئی آواز نہیں آری تھی۔ اپاکن اُن کی رفتارست ہو گئی۔ سامنے دونوں طرف کے درختوں سے ملا کر رسی باندھ دی گئی تھی۔ کنارے سے نکل کر فریدی نکلا اور ہانپتے ہوئے حمید سے بولا۔

”دوشنا کو منہ کی کھانا پڑی..... خدا کے لئے تیر پڑو..... اگر بھی ایک پر لیں چھوٹ گئی تو مصیت ہی آجائے گی۔“

”دونوں تیزی سے بھاگ رہے تھے۔ شیشن صرف آدھا میل رہ گیا۔ فریدی نے سڑک کے کنارے سے لگے ہوئے کھبے کی روشنی میں دیکھا۔ گھری میں گیارہ بجھنے میں دس منٹ باقی تھے۔ ایک پر لیں گیارہ نجع کر پانچ منٹ پر چھوٹی تھی۔ اس نے رفتار تھوڑی دھیکی کر دی۔ حید بیچارہ ہاپ گیا تھا۔ اس کے قدم جواب دے رہے تھے کہ یا کیک اس کا سر کسی چیز سے ٹکرایا اور وہ بینچ گیا اور چینا۔

فریدی مڑا..... قدر تھا احتیاط پسند ہونے کی وجہ سے وہ تیز سڑک پر تھا تاکہ درختوں کی اوٹ یا سہارا لے کر اس پر چل دے کیا جاسکے۔ حید اس کا خیال نہ کر سکا۔ سڑک کے کنارے ایک درخت کی ڈال سے چارپائی باندھ دی گئی تھی اور چارپائی سے دو انسانی صور تمیں بند ہوئی تھیں۔ فریدی نے تارچ روشن کر لی۔

”آفہ.....!“ اس کے منہ سے نکلا اور اس نے حید سے کہا۔ ”میں انہیں اتارتا ہوں تم نہ ہو۔“

چارپائی ایک جھولے کی طرح لٹکا دی گئی تھی اور سعیدہ و غزال دونوں اس چارپائی پر رسبوں سے باندھ دی گئی تھیں۔ اتارنے کے بعد اس نے کوشش کی کہ انہیں ہوش آجائے، مگر انہیں نہی طرح بے ہوش کیا گیا تھا۔ گیارہ نجع چکے تھے۔ فریدی نے غزال اور حید نے سعیدہ کو لا دا اور چنان شر ورع کیا۔ وہ دوڑ ختم ہو چکی تھی۔ سعیدہ حید کے اوپر لدی ہوئی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ سعیدہ کو نجع دیتا مگر فریدی دبے لجھے میں اس نے پھر پوچھا۔ ”یہ کیا قصہ ہے۔“

”میریں میں بتاؤں گا..... یہ سمجھ لو..... ابھی تک ہم بازی نہیں ہارے۔“

اشیشن کی عمارت نظر آنے لگی تھی۔ گاڑی کا ابھی پہنچی تھا۔ مگر سکھل گرچکا تھا۔ فریدی نے خوش ہو کر حید سے کہا۔ ”ہم جیت گئے۔ پانچ منٹ بعد دشمن ہمارے ہاتھ میں ہو گا۔“

”نہ ہو..... پہلے مجھ سے فیصلہ کرو۔“ ایک بار عرب اور گرجدار آواز سنائی دی۔

فریدی نے دیکھا..... بغل سے کنور ناقر علی خاں پستول لئے..... چلے آرہے تھے۔

آن کا پھرہ غصہ سے لال بھجو کا ہو رہا تھا۔ انہوں نے پھر کہا۔ ”انہیں رکھ دو۔“

حید نے چاہا کہ کم از کم فریدی کی طرف گردن گھما کر دیکھ سکے..... مگر کنور صاحب نے دیکھ لیا۔

"تم سب بد معاشر ہو..... میں آج تمہیں شوٹ کر دوں گا..... فریدی صاحب..... اب وہ اکڑ کہاں گئی۔"

فریدی خاموشی سے کنور صاحب کی طرف دیکھا رہا۔ "بد معاشر۔" کاظم سنتھی حید نے جلا کر چاہا کہ بڑھ کر کنور صاحب کا گاگھونٹ دے مگر کنور صاحب نے ارادہ بھانپتھے ہوئے کہا۔ "ذرا سی حرکت ہوئی تو فریدی اس دنیا میں نہ ہوں گے۔"

"پھر اس نے فریدی کو مخاطب کیا اور کہا۔ "ہاں فریدی صاحب..... توکل آپ پولیس سے کہہ دیں گے کہ شاکر کا قاتل میں ہوں۔ آپ میری وہ تحریر بھی پیش کر دیں گے، جس میں اُسے دھمکی دی گئی تھی کہ اگر وہ کتاب مجھے نہ دے گا تو میں اُسے مارڈا لوں گا.....؟ لیکن قبل اس کے کہ آپ کچھ کہہ سکیں میں آپ کی زبان ہمیشہ کے لئے بند کر دوں گا۔"

اچاک گاڑی کی سیٹی سنائی دی۔ اپنی پوری گھرگھڑ بہت اور شور کے ساتھ گاڑی آری تھی۔ ریل کی پٹریاں دوسرے چکتی ہوئی صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

فریدی کے منہ سے ایک خوفناک آواز نکلی اور کنور صاحب بے ساختہ چیچھے ہٹ گئے۔ آنکھ جھکتے ہی پستول فریدی کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے جلدی سے کہا۔ "آپ نے میرا بہت وقت ضائع کیا..... ان لڑکوں کو لے جائیے۔ آپ کسی بڑی غلط فہمی میں جلا ہیں۔ حید جلدی کرو" کہتے ہوئے فریدی نے پھر دوڑنا شروع کر دیا۔ اسٹین کے سیدھے دروازے کی بجائے اب اس کا رخ رلوے لاٹن کی طرف تھا..... گاڑی نے پلیٹ قارم سے حرکت کی۔ رلوے لاٹن اور فریدی میں صرف پچاس گز کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

گاڑی پلیٹ قارم چھوڑ چکی تھی..... فاصلہ دس گز..... گاڑی اپنی متوسط رفتار پر تھی..... فاصلہ پانچ گز..... گاڑی فریدی کے بغل سے گذر رہی تھی۔ یک بیک وہ اچھلا اور سامنے سے گذرنے والے اندر ہیر بے ذبے کے پائیں ان پر کھڑا ہو گیا۔ حید سے اس نے چیخ کر کہا۔ "فوراً اسکی ذبے میں گھس جاؤ....." اور خود اسی ذبے میں کوڈ پڑا۔

حید جس ذبے پر کھڑا تھا اس کی چھنیاں اندر سے بند تھیں۔ اس نے گردن اٹھا کر

دیکھا..... ذبہ کے اوپر بنی ہوئی دو لکیریں ظاہر کر رہی تھیں کہ یہ دوسرا درجہ ہے۔ اُس نے زور سے دروازہ پیٹھا شروع کیا۔ سامنے پیل آرہا تھا اور دریائے گھاگھرا کے کنارے کراؤں کے نوٹھے کی پر شور آوازوں کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔ بھیاںک سنان رات.... اُسے ذر محظوظ ہونے لگا۔ فریدی کے اوپر اُسے غصہ آرہا تھا۔ خود تو مزے سے ہوں گے..... میری بھلا خیلیں کیا پر وہ؟ عجیب سکنی آدمی ہے..... دوڑا ڈالا..... بیٹھے بھائے مصیت..... بلا وجہ.....“ جھاہست میں اس نے کھڑکی پر اتنے کے بر سائے کہ کھڑکی کا ایک خلٹ ٹوٹ گیا۔ اندر سے بڑھاتے کی آواز سنائی دی اور کسی نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ ذبہ میں داخل ہو کر اس نے دیکھا..... صرف چار بر تھے تھیں۔

ایک طرف ایک موٹی سی عورت جس کی عمر بیس سال سے زائد تر رہی ہو گئی لیشی ہوئی تھی۔ سامنے ایک صاحب سور ہے تھے۔ ان کے اوپر والی بر تھے پر سر سے بیکنک چادر تانے کوئی پڑا تھا۔

ابتدہ عورت کی اوپری بر تھے خالی تھی۔ کیا رہنمث میں اندر ہیرا تھا۔ مگر لیوٹری کے اندر کی دھرم روشنی غالباً اسی خیال سے مگل نہیں کی گئی تھی کہ اندر ہیرا تھا۔ حمید نے چاروں طرف دیکھا اور اوپر والی بر تھے پر چڑھ گیا۔ تمام راست کی تھکان دوڑا اور محنت نے سینکڑ گاہ کے گدے پر نیند کو آواز دی اور وہ سو گیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو دون اچھا خاص انکل آیا تھا..... گاڑی و ندھیا چل کی خوبصورت پہاڑی سلسلے کے درمیان سے گذر رہی تھی۔ اس نے جھاہک کر دیکھا۔ وہ عورت اٹھ چکی تھی۔ رات کی اتنی موٹی سی عورت نے نظر اٹھائی اور اُسے مسکراتے دیکھ کر کھل کھلا کر فس پڑی اور عجیب انداز میں بولی۔ ”اب چیخے آؤتا.....؟“ حمید کو بھلا کہاں برداشت.....؟ اتنی مدت کے بعد ایک شکار طا تھا؟ کیا وہ اسے بھی چھوڑ دے گا۔ وہ فواؤ کو دپڑا۔

بیسے ہی اس نے چاہا کہ بیٹھے..... عورت نے کہا۔ ”نا..... نا..... پہلے من دھو کر چائے پی لو تب پھر باتیں کرنا۔“ حمید اس کی اس بے تکلفی پر کچھ کھلا۔ مگر سامنے بیٹھے ہوئے بنگالی کو مسکراتے دیکھ کر اُسے ایسا محظوظ ہوا جیسے اس کی مسکراتہ کہہ رہی ہو۔ ”کیوں بے چھڑا رگیانا آخر..... بدھو..... ذر پوک“ اور وہ بھجت سے با تھر روم میں داخل ہو گیا۔ منہ دھو کر جب وہ

باہر نکلا..... عورت غرماں میں سے چائے نکال رہی تھی۔ رس بھری کی جبلی اور نوٹ ایک طشتہ میں رکھے ہوئے تھے۔ بننے ہوئے آکوؤں کے تھلے دوسری طشتہ میں ایک پلیٹ میں سب کی کچھ قاشیں اور انگور کے دانتے پڑے تھے۔ حید کے منہ میں پانی بھر آیا۔ شام کو لا بھریری میں دو ابے ہوئے انڈوں اور ایک یا لی چائے کے علاوہ اسے کچھ نہ مل سکا تھا۔ بینخ کر اس نے کھاتے ہوئے کہا کہ۔

”آپ کہاں سے.....!“

لیکن جملہ پورا ہونے سے قبل ہی ٹکٹک چیکر کی آواز نے اسے چوٹکا دیا۔ ”ٹکٹ پلیز.....!“ وہ ٹکٹکنے لے کا تھا۔ سوائے چارچوں دینے کے اور چارہ ہی کیا تھا۔ پھر جب چارچوں دیتا ہے تو جلدی کیا ہے۔ کھا کر دے دیں گے، اس نے سوچا اور ٹھیٹھی سے کہا۔ ”ابھی دیتا ہوں۔“

عورت کی طرف بڑھ کر جب چیکر نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے حید کی طرف اشارہ کر دیا، جسے حید نہ دیکھ سکا۔ خوب پیٹ بھر کھانے کے بعد اس نے ٹھیٹھی سے کہا۔ ”چھپتے جگشیں سے چارچ کر لججھے۔ جلدی میں ٹکٹک نہ خرید سکا۔“ چارچ شیٹ بنانے کے بعد ٹھیٹھی نے کہا۔ ”ایک سو سرخ روپے بارہ آنے۔“

”کتنے.....!“ حید نے اچھل کر کہا۔ ”زرادیکھوں کہاں سے چارچ کر رہے ہیں آپ...!“

”میں..... جمپور سے..... دو آوی..... سیکنڈ کلاس.....!“ ٹھیٹھی بولا۔

”دو کون.....!“ حید غریباً۔

”آپ اور آپ کی..... یعنی کون ہیں یہ آپ کی.....!“ ٹھیٹھی نے کہا۔

”دھرم ہتھی.....“ عورت کچھ جھینپتھی ہوئے بولی۔ پھر حید کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔ ”اے ٹھیٹھی صاحب کوپان پاپے کے لئے کچھ دنے دو..... اتنا لیں گے۔“

حید کو جیسے ہزاروں پچھوؤں نے ڈمک مار دیا۔ بٹوے میں صرف ایک سو پانچ روپے اور زبردستی کی بلا الگ سر پر۔

اُس نے بھرتے ہوئے کہا۔ ”یہ عورت جھوٹی ہے..... میرا اس سے کوئی ناط نہیں۔“

بگالی باہو جوش میں کھڑے ہو گئے۔ ”ثرم نہیں آتا..... اپنی اتری چھوڑتا ہے.....“

چی تھو.....!

اوپر والا آدمی وہیں سے لیئے لیئے بولا۔ "اگر یہوی نہیں تو پھر کون ہے..... ابھی تو ساتھ بینچ کر کھارہاتھا..... کہتا ہے کوئی ناط نہیں..... چار سو میں۔" گاڑی اب اسٹشن پر پہنچ رہی تھی۔ فیضی نے ڈاٹ کر عورت سے پوچھا۔ "عجیب تباہیر ایسے کون ہے۔"

"ہائے..... بائے..... فیضی صاحب..... میرے پتی ہیں۔ پرسوں ہمدا.....!" وہ پکھ رہتے ہوئے بولی۔ "تو میرے بھر دیکھ لو۔" اس کے راستے ہوئے خود اور چاندی کے چھلے گواہی دے رہے تھے کہ ابھی ابھی اس کی شادی ہوئی ہے۔

اس نے پھر حید کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "روپے کے ڈر سے سکن بھی چھپا دیئے۔"

"ہاں..... ہائے میری تقدیر پھوٹ گئے۔" کہتے ہوئے اس نے زور زور سے چلا کر روتا شروع کر دیا۔ گاڑی اسٹشن پر کھڑی ہو گئی تھی۔ اچھی خاصی ایک بھیز جنم ہو چکی تھی۔ حید کی جان بیجب تھیسے میں تھی..... اس کی تلاشی پر جیب سے ایک بندہ جس میں ایک سوپاچ روپے ایک سکنگا اور چار پانچ وزینگ کارڈ طے جس پر لکھا تھا۔ "وہرم داں بی اے کر شل آرٹ" عورت سے جب نام پوچھا گیا تو اس نے کہا۔ "میں ان کا نام نہیں لے سکتی۔" بڑی مشکل سے اس نے ایک پرچہ پر وہی نام لکھ دیا۔ جس نام کے وزینگ کارڈ تھے۔ حید چکرا گیا تھا۔ چاروں طرف سے لوگ ٹوٹے پڑ رہے تھے اور اسے لخت طامت کر رہے تھے۔ حید کی نگاہیں فریدی کوڈھوڑ رہی تھیں، اس نے کئی بھانے کر کے سپاہیوں کے ساتھ ٹرین کے کنی پکر لگا دا لے مگر فریدی نہ ملا۔ لاحر ٹرین تے سیٹی دی، حید نے لاکھ چالاکہ اسے پھر گاڑی میں بیٹھنے دیا جائے، مگر تکڑ پچکر کسی حالت میں نہ ملتا..... وہ بار بار کہنے جا رہا تھا..... پورا چاروں دیجتے..... اور بینچے۔

گاڑی آہستہ ریگنے لگی۔ حید نے آخری بار کوشش کی کہ وہ بینچ سکے مگر ناکام رہا اور گاڑی روانہ ہو گئی۔ مجمع چھٹ چکا تھا اور وہ عورت غائب تھی۔

اس نے مذکور فیضی سے کہا۔ "چارچ لججے..... مگر وہ میری یہوی ذہن مٹلا دیئے۔"

فیضی جھرت زدہ رہ گیا۔ ابھی ایک سینٹ پلے وہ اس کی نرم نرم ہتھیلوں سے لطف اندازو ہوتا حید سے بحث میں الجھا رہا تھا..... "وہ عورت کہاں گئی۔"

شرمندہ ہو کر اس نے حید سے کہا۔ "مجھے سے غلطی ہوئی۔"

حید نے جیب سے اپنا کارڈ جب نکالا تاہم اسے عاب تھا۔

ایک کاغذ پر البتہ لکھا ہوا تھا۔ ”پہلی اور ہلکی سی چوتھ اپنے حید کے لئے..... استاد کی بھی خبر لین۔“

حید بوکھلا گیا تھا، جیسے خواب کی لمبی..... سینما کی تصویریں یا پوری اریل گاؤں اس کے سر سے گزرنگی ہو۔ وہ سر تھام کر بینج گیا..... اس کی سمجھ میں تین آرہاتاکہ کیا کرے کہ اتنے میں اسی لکھ چکر نے اُسے آگر کہا۔ ”آپ کاڑک کاں آیا ہے حید صاحب۔“ اُس نے ریسور سے نہ فریدی کہہ رہا تھا۔ ”رام گذھ لوٹ آؤ۔“

لیفٹینٹ باقر

”وسرے روز صحیح پائے پر باتیں کرتے ہوئے فریدی نے کہا۔
”حید میاں! میں نے زندگی میں کبھی ہمارے نہیں مانی..... مگر میں اقرار کرتا ہوں کہ میں اس کے سامنے طفل کتب ہوں..... غصب کا داماغ ہے ظالم کا۔“

کہتے کہتے فریدی خبر گیا۔ حید واقعات جانتے کے لئے بے تاب تھا، اس نے منہ کھوالا ہی تھا کہ فریدی نے اشادر سے روک دیا اور کہنا شروع کیا۔

”مجھے پورا یقین تھا کہ شاکر کے کیس میں جابر کا ہاتھ ہے۔ اس روز صحیح کی ڈاک سے مجھے اطلاع مل تھی کہ سینہ گوٹل چھیدی لاال بیمنی کے مشہور تاجر کے یہاں ڈاک کے کانوٹس مل چکا تھا۔ ادھر نوابزادہ شاکر کی جانبی ادا کے ایک وارث اور کھڑے ہو چکے تھے۔ وہ بھی اُس گاؤں سے بیمنی جا رہے تھے۔ جابر کی یہ ترکیب میری سمجھ میں آتی۔ میں نے بیمنی پر لیں کو تار دے دیا تھا کہ وہ لوگ اشیش پر موجود ہیں اور میرے ساتھ جسے دیکھیں گر قادر کر لیں۔ یاد راست ہی میں کہیں اُسے دھر لیں۔ صرف اس لئے کہ میرے کام میں رکاوٹ ہو اور کور صاحب میرے دشمن ہو جائیں۔“

اس نے میرا بھیس بھرا..... دوسری طرف اُسے یقین ہو گیا تھا کہ میں ضرور اس کا چیچا کروں گا۔ موڑ کار رستہ روکتے کے لئے اس نے ہاتم سوچ بیم لگائے اور راستہ میں رسیاں پاندھ کر دیے کر لوی..... اور جب اس میں ناکام رہا تو اتفاقات نے ہمیں کنور صاحب کی نظر میں گرا دیا۔ اس طرح راستہ میں روزے انکا ٹا..... وہ لیفٹینٹ باقر کے ڈبے میں بیٹھنے میں کامیاب ہوا۔ آج کا اخبار دیکھو ”سینئر گول چمیدی لاال نری طرح لٹ گئے..... اور لیفٹینٹ باقر اور ان کے لڑکے ذاکر پر قاتلانہ حملہ کیا گیا..... وہ حق تو گئے گمراں کی تمام قیمتی و ستادیزیں اور فندر و پیپر لوث لیا گیا۔“

”تو پھر آپ واپس کیوں لوث آئے۔“ حمید نے بے تاباں پوچھا۔

”یہ میری لکھت اور جابر کی فتح کی کہانی ہے۔ میں جس ڈبے میں داخل ہوا تھا اس میں بالکل اندر ہی راتھا..... میں نے تاریخ جلا کر پورے ڈبے میں دیکھا۔ ڈبے خالی تھا..... میں اُسی ڈبے میں لیشادر ہا۔ پہنچنے کے لئے کب میری آنکھ لگ گئی..... اور جب میری آنکھ کھلی تو میں برائج لاائن کے ایک چھوٹے سے اشیش پر تھا..... وہ ڈبے جس میں میں تھا اگلے جتناں پر کاٹ دیا گیا تھا۔

میں نے دیکھا حريف کام کر چکا ہے۔ سوائے اوت آنے کے کوئی چارہ کارتے تھا۔ رام گندھ اشیش ماشر کو میں نے تمہارے متعلق اطلاع دے دی تھی..... تمہارے بیہاں سے اُسے ٹرک کاں کیا گیا..... میں آیا اور آگے تو تم جانتے ہی ہو..... مگر تمہاری بیوی کیا ہوئی۔“ فریدی نے ایک زور دار قہقهہ لگایا..... اور حمید نے جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔ ”وہ شاگر کی لاپبریری والی کتاب میں کیا تھا..... اس کے متعلق آپ نے کچھ نہیں بتایا۔“

فریدی کا چہرہ یک لخت سنجیدہ ہو گیا..... اس نے سبھر سبھر کر کہا۔ ”وہ میرے ترکش کا آخری تیر ہو گا۔“

اتھے میں نو کرنے میز پر ملا قاتلی کارڈ لٹا کر رکھا۔

”لیفٹینٹ باقر..... او..... بی۔ ای۔“

”بلاؤ.....!“ حمید نے کہا۔

ایک متوسط عمر کا آدمی..... باسیں گال پر چھوٹا سا سکل۔ چھوٹی دھنسی ہوئی آنکھیں..... لمبوڑہ چہرا..... اور ستوان سرخ ٹاک۔ یہ تھے لیفٹینٹ باقر..... ان کے ساتھ چھپیں چھپیں کا ایک نوجوان اور تھا۔ جس کا تعارف لیفٹینٹ صاحب نے ”میرا لڑکا..... گریجو یت

ہے..... مقابلہ کے امتحان کی تیاری کر رہا ہے۔ ”ان الفاظ سے کر لیا۔ ذا کر دبلا..... پکانزدہ رنگ..... بڑی بڑی آنکھیں..... چہرہ سے معلوم ہو تا حاکر کم سخن سمجھدہ اور متین ہے۔ رکی تعارف کے بعد یغٹینٹ صاحب نے کہا۔ ”فریدی صاحب مجھے آپ ہی بچا کئے ہیں۔ میرا جوان بھائی مر گیا.....!“ کہتے کہتے وزار و قطار و نے لگا۔ جذبات پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے کہا۔ ”میری بہن سعیدہ لاپٹی ہے۔ کوئی ظفر علی خال اُسے بہکار ہے ہیں۔ مجھے جانید اونہ چاہئے۔ مگر باپ دادا کی ڈیوڑ گی میں یوں نہیں چھوڑ سکتا۔“ اور پھر ان کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ ذا کرنے اس کے کانہ سے پرہا تھر رکھتے ہوئے کہا ”اباجان..... میر سے کام لجئے۔“ یاقر صاحب نہ ہرگے اور رک رک کر بولے۔ ”مشہور ذا کور الیل میرے پیچے الگ پڑا ہوا ہے۔ اس نے مجھے کہنکیا اس کا نہ رکھا۔ میرے کاغذات دلواد جئے اس سے..... فریدی صاحب میں تازندگی آپ کا احسان مانوں گا۔“

فریدی یاقر صاحب کی گنگلو سنا تھا۔ درمیان میں حید نے کئی بار کوشش کی کہ ان سے سوالات کرے، مگر فریدی کا اشارہ پا کر دو۔ بھی خاموش رہا۔ فریدی کافی دیر تک سوچتا رہا۔ رہ رہ کر اس کی آنکھیں چک اٹھتیں۔ اس نے یاقر صاحب کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں جیسے ان کے چہرے میں کچھ ٹلاش کر رہا ہو اور ایک طویل عمر کی خاموشی کے بعد بولا۔

”میں آپ کو کچھ بتا دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ یہاں کے معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں صرف اپنے دوست کی خاطر یہاں نہ ہر اہو ہوں۔ آپ سے جو کچھ بتایا گیا ہے وہ سچائی پر مبنی نہیں۔ رالی سے میں بخوبی واقف ہوں اور اسی لئے فی الحال میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ رالی ہی آپ کے پیچے پڑا ہوا ہے۔ بہر حال آپ مجھے معاف فرمادیں۔“

ایک جانیدہ آدمی کی طرح یغٹینٹ یاقر فریدی کی یاتیں سنتے رہے۔ ان کے چہرے پر بلکی کی زردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے پھر کہا۔

”فریدی صاحب..... میں آپ سے انسانی حقوق اور رشتہ کی بناء پر کہہ رہا ہوں..... آپ میرا ساتھ دیجئے۔ خدا آپ کی مدد کرے گا۔ میں اپنے حالات آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ میری بد قسم حالات پر اگر آپ کو ترس آجائے تو اس کام میں ہاتھ ڈالنے ورنہ آپ کو اختیار ہے۔“

"میرے والد تو اب زائر علی خال تھے، ان کی چہلی شادی راجہ سید پور کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ شادی کے تین سال بعد میری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ بارہ سال تک والد نے شادی تھی۔ لیکن آخر کار انہیں شادی کرنا ہی پڑی۔ اپنی دوسرا میں کے سلوک سے بخوبی اُکر میں بھاگ لگا..... بیسمیٰ کے ایک کارخانے میں نوکری کر کے تعلیم حاصل کی اور پھر اس عہدے تک پہنچا۔ اب باقاعدہ پیش مل رہی ہے۔ مجھے ہمیشہ شرم آتی تھی کہ والد مر جوم کے انتقال کے بعد اگر گھر جاؤں گا تو شاکر سوچے گا کہ جائیداد میں حصہ بنانے آپنے۔ لیکن مر جوم کو خود میرا خیال تھا۔ مر نے سے ایک ہفت قبیل آن کا خط مجھے ملا تھا جس میں انہوں نے مجھے بایا تھا اور اب جب میں آیا ہوں تو وہ مر جوم!" باقر صاحب بھٹکی دیر تک باتیں کرتے رہے روئے رہے اور آخری جملے پر پہنچ کر ان کی چکیاں بندھ گئیں۔

حیدری طرح آن سے متاثر ہوا تھا۔ آن کی ضغطی اور آن کی حالت پر اُسے رحم آرہا تھا۔ فریدی یہ پوری بات غیر متعلق انداز میں سنتا رہا۔ تو ایزدہ شاکر کا خط دیکھنے کے بعد وہ پکھ دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے اُسے باقر کو داپس کرتے ہوئے کہا۔

"مگر سعیدہ کا یہ کہ تو ایزدہ شاکر کا کوئی رشتہ دار نہیں تھا۔"

"ہو سکا ہے وہ مجھے نہ پہچانے مگر اُسے یہ علم ہے کہ شاکر کا ایک بڑا بھائی بھی تھا۔ خاندان میں یہ بات مشہور کردی گئی تھی کہ باقر مر گیا۔ اس میں شاکر کے نھیاں والوں کا ہاتھ تھا..... مگر وہ سب سرگئے۔"

"سب! " تھید کے منہ سے بے ساخت لگلا۔

"مجھے ہاں چند سال قبل طاعون کی بیداری میں۔"

"بہر حال میں وکیل نہیں لیکن بظاہر آپ کا مقدمہ کافی مصروف ہے۔ عدالت میں آپ درخواست دے پچے ہیں۔ وہاں کافی صدر بیج کے اختیار میں ہے۔ رہ گیا آپ کی حفاظت کا سوال تو میں اتنا کر سکتا ہوں کہ پولیس کا معمول انتقام کروں۔ اب اگر اجازت دیں تو بہتر ہے۔" فریدی نے قدرے رکھائی سے یہ جملے ادا کئے۔ مگر یقینیت صاحب کا چہرہ وہ یہی تین اور سبجیدہ رہا وہ خاموشی سے اٹھے اور ایک بار پھر فریدی کے چہرے کو غور سے دیکھا پھر ایک شندی سانس بھرتے ہوئے اپنے لڑکے سے بولے۔ "آؤ بینا چلیں۔"

دروازے پر چکن کرتے ہوں نے مزکر فریدی کو دیکھا اور دیکھی آواز میں بولے۔
”زحمت کا شکر یہ۔“ اور چلے گئے۔

آگ خون اور گولے

فریدی اور حمید شہر کے نزدیک چکن رہے تھے۔ شہر کی چھل پہل شروع ہو گئی۔ ایک لبی سانس کھینچنے ہوئے حمید نے کہا۔
”کیا مصیبت تھی۔“

”ہوں.....!“ فریدی نے کہا اور چپ پر رہا۔

”میں سمجھتا ہوں ہمیں اب رام گذہ چھوڑاں دیتا پڑے گا۔“ حمید کے لجھے میں مالوں کی تھی۔
فریدی خاموش رہا۔ ”تمہیں ابھی شہر میں بھی آگ ملے گی۔“ فریدی کچھ دیر کر رک کر بولا۔
”او جلدی کریں۔“

سامنے ریستوران مکلا ہوا تھا۔ حمید سے نہ رہا گیا۔

”صرف ایک بیالی چائے“ حمید نے کھٹکھیا کر کہا۔
اور دو توں ہوٹل میں داخل ہو گئے۔

ایک خوبصورت سانوجوان سامنے بیٹھا ہوا چائے پی رہا تھا۔

ایک نظر میں فریدی نے اسے پہچان لیا..... اس نے غالباً ابھی اسکریٹ جاتی تھی۔
اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نہیاں تھے۔ وہ فریدی کو دیکھ کر اخدا اور سکریٹ کا اکش کھینچنے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

فریدی کے پاس چکنے ہی وہ زمین پر بینٹھ گیا اور زور زور سے گادا بنے لگا۔ ”ارے.....
ارے..... یہ تو رخت ہوئے۔“ کہتا ہوا فریدی اٹھا۔ اس کی آنکھوں سے شرارے اٹھنے لگے
”بچارہ ذا اکر“ فریدی کے منہ سے نکلا۔

حید نے پانی کا گلاں اٹھا کر جلدی جلدی چھینٹ دینے شروع کر دیے۔ ہوٹل میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ لوگ جگہیں چھوڑ کر دہاں کھڑے ہو گئے تھے۔ کسی نے فریدی کے کانڈھے پر ہاتھ رکھا۔ ”یہ ختم ہو گئے..... انہیں سگریٹ میں زہر دیا گیا ہے۔“ کہتے ہوئے وہ پیچھے مڑا۔ ”طارق صاحب..... اورے آپ؟“

”فریدی صاحب..... فوراً آپ نے..... غزال کی حالت نازک ہے۔“

فون کرنے کے بعد لاش کو پولیس کے حوالے کر کے اور حید کو ہدایات دے کر فریدی طارق کے ساتھ چلا۔

”وہ لوگ کہاں ہیں۔“

”سعیدہ کے گھر میں آگ لگادی گئی۔ اس کے بیہاں کے سارے کوتے عائب ہیں اور صرف غزال زخمی ہے۔ وہ لوگ ابھی ابھی بیہاں آئے ہیں۔“

”مگر باقر اور ظفر کے تعلقات.....!“

فریدی نے پوچھا۔

”آپ کو شاید حالات کا علم نہیں۔ باقر صاحب اور سعیدہ میں سمجھوتہ ہو گیا۔ عدالت نے باقر کو شاکر کا بھائی تسلیم کر لیا۔ لیکن انہوں نے اپنی طرف سے جائیداد سعیدہ کے نام جپ کر دی ہے۔ صرف گمراں کے قبضہ میں ہے۔ چنانچہ جس وقت آگ لگی ہے باقر صاحب وہیں موجود تھے۔ بڑی مشکل سے انہوں نے سب کو نکالا۔“

فریدی مستارد ہا۔..... اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

”میں نواب اور کنور صاحب سے مل بھی نہ سکا۔ بہت سی باتیں معلوم کرنا تھیں۔ میرا مقابلہ ایسے آدمی سے ہے، جس کے کام کرنے کا طریقہ سب سے الگ ہے۔ وہ پے در پے تایید توڑ ایسے جملے کرتا جاتا ہے کہ مختلف کو سوچنے کا موقع ہوتا مل سکے۔ ہاں..... غزال کو کیا ہوا۔“

”میں بتا رہا تھا..... وہ لوگ کچھ آپ سے کشیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ خصوصاً کنور صاحب..... جس وقت آگ لگی ہے اُسیں ایسا معلوم ہوا جیسے جلتی ہوئی شہرتوں کے درمیان آپ نئے نئے کی کوشش کر رہے ہوں۔ ہم سب بڑھے اور غزالہ بھی۔ مگر اس سے پہلے کہ ہم میں سے کوئی بہت کر سکے وہ آگ میں داخل ہو چکی تھی۔ جلتی ہوئی آگ میں سے بہرا درقت اُسے

نکلا گیا..... وہاں سے آنے کے بعد باقر صاحب نے مجھے اس ہوٹ میں ذاکر کو بلا نے کے لئے بیچ جا اور یہاں آپ مل گئے بیچارے باقر صاحب ان کا سبھی ایک لڑکا تھا۔

فریدی اور طارق نواز زادہ شاکر کے مکان پر جب پہنچے ہیں وہاں بھی آگ لگ چکی تھی۔ آگ مکان کے بچھتے حصہ کی طرف سے لگائی گئی تھی اور پیر و فی حصہ تک پہنچنے سے پہلے اسے بچانے کی کوشش کافی حد تک کامیاب ہو چکی تھی۔ مکان کے سامنے باقر صاحب جیجی جیجی کرو رہے تھے۔ غالباً ذاکر کے مر نے کی اطلاع انہیں مل چکی تھی۔ غزالہ باہر عی ایک پنچ پر لٹائی گئی تھی۔ صرف ذرا سی خراش اور پیر کا نچلا حصہ جلا تھا۔

"بلاوجہ طارق نے پریشان کر دیا۔" فریدی منہتایا اور پھر پلٹ کر نواب صاحب کی طرف مڑا۔ نواب رشید الزماں بالکل گم سمتے اور سعیدہ غزالہ کے پاس بیٹھی ہوئی پہنچنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ کنور ظفر علی خاں کا کہیں پتہ نہ تھا۔

"نجی صدیق احمد کے یہاں چوری ہو گئی مگر ان کے کبوتروں کے علاوہ ان کی سب چیزیں محفوظ ہیں۔" ایک سپاہی نے اطلاع دی اور باقر صاحب کے گھر پر تھیات انپکڑنے فریدی سے کہا۔ "آگ لگانے کا مقصد میری سمجھ سے باہر ہے۔ نواب زادہ شاکر کے تمام پرانے کبوتروں کے علاوہ گھر کی ہر چیز محفوظ ہے۔"

"مگر آگ لگانے والوں میں سے کسی کو آپ دیکھ سکے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ایک شخص گرفتار ہوا ہے اسے بھاگتے ہوئے دیکھ کر گولی چالائی گئی تھی۔ اس کے پائیں شانے پر گولی گئی ہے۔ وہ بچھے اسے یہ لوگ لے بھی آئے۔"

وہ آدمی بے ہوش تھا فریدی نے روشنی اٹھا کر اس کے چہرے کو بغور دیکھا اور چوک کر پہنچے ہٹ گیا۔

"کنور ظفر علی خاں۔"

اس کے منہ سے نکلا۔ باقر صاحب کنور کو دیکھتے ہی پہنچنے لگا۔

"بہمن سعیدہ دیکھا تم نے اسی نے میرے بھائی کی جان لی۔ اسی نے گھر میں آگ لگائی۔ اسی نے میرے بیٹے کو مارا اور اب یہ مجھے بھی مارنا چاہتا ہے۔ اگر یہ مجھ سے کہہ دیتا تو میں اسے یوس ہی کبوتر دے دیتا۔" ان کی آواز میں عورتوں کا درد جھلک رہا تھا۔ وہ بے تحاشہ جیجی

رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں بہر رہی تھیں۔

”آنکھیں ہسپتال بھجوادیجتے..... وہم سب کو غلط فہمی میں جلا کر تارا ہے..... میں جا رہا ہوں۔“ فریدی کہتا ہوا نواب صاحب کے پاس رکا.....! ”آپ ماختر صاحب کے بیہاں سعیدہ غزال اور طارق کے ہمراہ چلے جائے..... مگر دیکھئے کل رات تک وہاں سے کہیں اور نہ جائے گا.....!“ کہتا ہوا فریدی عاریب ہو گیا۔

نواب صاحب فریدی کی ہدایت کے مطابق چلے تو گئے۔ مگر دوسرے روز شام کو غزال کی طبیعت سمجھنے پر باقر صاحب کے اصرار پر ان کے گھر چلے آئے۔ سعیدہ اپنے مکان پر لوٹ آئی تھی اور کور نظر علی خاں پر نواب زادہ شاکر کے قتل اور ان کے بھائی یقینیت باقر کے گھر میں آگ لگاتے اور چوری کے الزام میں یقینیت باقر کی طرف سے مقدمہ چلا دیا گیا تھا۔ وہ حفاظت پر چھوڑ دیئے گئے تھے..... اور ہسپتال میں تھے۔

فریدی گرفتار

اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا فریدی دو کتابوں میں منہک تھا۔ قلمی خاکے والی کتاب پر کچھ نشانات نوازراہ شاکرنے لگا کے تھے۔ دوسری کتاب پر ہتھے ہوئے اس نے کچھ نوٹ لکھتے..... دفتر والا کاغذ پھٹا ہوا تھا..... اس نے کچھ سوچا اور پھر دو قوں کتابیں اٹھائیں اور انہیں اپنی الماری میں بند کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے الماری کھولی کتابیں الماری میں نہیں لے لیں تھیں۔

”ٹھیک ہے.....!“ وہ بڑیلیا۔ ”میں جانتا تھا جابر کہ تم بیہاں آؤ گے..... ان کتابوں کے لئے..... تمہیں میری سخت ضرورت ہے اور یہ کتابیں اب نہ مل سکیں گی..... یہ بہت دور جلی گئی ہیں۔“

جب سے ایک تصویر نکال کر اس نے غور سے دیکھا اور پھر اسے جیب میں رکھتے ہوئے باہر کل آیا۔

شام ہو چکی تھی۔ حید کا کہیں پہنچنے تھا۔ فریدی نے اسے لیفٹینٹ باقر کے گھر پر بھروسی کے لئے متعدد رکھا تھا۔ اس کے خیال سے اسے اب واپس آ جانا چاہئے تھا..... وہ ہوٹل کے برآمدے میں انتظار کرتا رہا اور آخر عکس آ کر لیفٹینٹ باقر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

لیفٹینٹ باقر کے گھر پر بالکل سناثا تھا۔ پولیس کے دوسرا ہی میٹھے ہوئے اونٹھ رہے تھے۔ لا بیری میں روشنی شمشے کے خانوں سے چمن چمن کر آرعنی تھی۔ فریدی نے جماں کر دیکھا لیفٹینٹ صاحب کرے میں کتابوں میں محو تھے..... تھوڑی دیر تک وہ کتابیں دیکھتے رہے پھر انہوں نے دروازے پستول نکال کر اپنی جیب میں رکھا اور دروازے کی طرف بڑھے۔ فریدی نے فور آپنے کو چھپا لیا..... لیفٹینٹ صاحب جیسے علیا ہر نکلے وہ کچھ عجیب طریقے سے کھانے..... انہوں نے جیب سے رومال نکالا اور اپنے منہ کو ایک بار پھر پوچھا۔..... کرے کا دروازہ بند کیا۔ نکلا رکھا اور سپاہیوں کو دیکھتے ہوئے باہر چلے گئے۔

فریدی ان کے جاتے ہی پکا۔ جس جگہ رکے تھے دہاں پر پڑے ہوئے کاغذ کے ٹکڑے کو انہیا اور لا بیری کے دروازے کے نچلے پٹ پاس نے اپنے ڈبے سے سفوف نکالا اور چھڑک دیا..... دیکھتے ہی دیکھتے لکڑی کا وہ نکڑا گلنے لگا۔ جلدی سے فریدی نے اپنی انگلیاں رومال سے باندھ کر انہیں اندر کی طرف دباتا شروع کیا۔ لکڑی کا تختہ ایک ہلکی آواز کے ساتھ یونچ آ رہا اور فریدی اسی راست سے اندر داخل ہو گیا۔ ہلکی ہلکی مدمم سی آوازیں بات چیت کرنے کی آرئی تھیں۔ فریدی نے کان لگا کر سنا "طارق اپنی سیاہی کے قصے سارہاتا..... کبھی کبھی تواب رشید الزماں کے بولنے کی آواز بھی آ جاتی۔ غزال کے قہقہے کی آواز اس نے صاف پہچان لی۔

اس نے سوچا کہ ان لوگوں کو یہاں سے ہٹادے گرا ایک جانی پہچانی آواز پھر اسے سائی دی۔ ماخمر صاحب بول رہے تھے۔ "یہ بھی یہیں ہیں تب ٹھیک ہے۔"

کاغذ جیب سے نکال کر فریدی نے ایک بار پڑھا اور پھر اسے جیب میں رکھا۔ الماری کے بغل میں رکھے ہوئے اسخول پر ایک مجسم رکھا ہوا تھا۔ فریدی کی انگلیاں اس مجسم پر کچھ ٹلاش کرتی رہیں۔ اچاک اس کا ہاتھ مجسم کے پچھلے حصہ پر پڑا اور خیف سی آواز کے ساتھ مجسم کا سر ٹھیک سے کھل گیا۔ اندر ایک چھوٹے سے صندوقچے میں بہت سے خطوط رکھے تھے۔ فریدی نے انہیں نکالا اور دیکھتا رہا۔ ایک تصویر دیکھتے ہی اس کا منہ نکلا کا کھلا رہا گیا۔ "میں اتنا نہیں سمجھا تھا..... اتنی

شاندار اداکاری اور ایسا بھیں۔ ”فریدی دل عی دل میں بولا۔

خطوط صحیح کرنے کے بعد اس نے انہیں الماری کے بالکل اوپر رکھ دیا..... سامنے ایک کتاب کھلی ہوئی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی اس پر کوئی ٹھنڈی کچھ لکھ رہا تھا اور پھر ادھورا پھوڑ کر اٹھ گیا ہے۔

کتاب کے بہت سے اور اق سادہ تھے۔ سرسری طور پر فریدی نے ورق لائے جسم کی بناوٹ مختلف اعضا جیسے حرکات و افعال روح کی ماہیت کے متعلق ایک بالتفصیل مضمون تھا۔ آخر سے وہ چیز دکھائی دے ہی گئی۔ میر کے پیچے کیورتوں کے پیچے میں ڈالے جانے والے تین چھٹے احتیاط اور حفاظت سے ایک چھوٹے سے بکس میں رکھے تھے۔ بکس پر گرد جبی ہوئی تھی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس بکس کو فیر اہم بنانے کے لئے گرد ڈالی گئی ہے۔ بکس کے اوپر دو جوڑتے اور سامنے بہت سی چلیں رکھی ہوئی تھیں۔ بغل میں ایک ڈبہ اسی حالت میں تھا۔ سگریٹ کی تباکو اس میں بھری ہوئی تھی فریدی نے چکلی سے تباکو سو بھا ”اوے“ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

تمباکو اور چھٹے والے خطوط لے کر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ اس کی آنکھوں میں غیر معمولی چک تھی۔

اپاںک اسے محسوس ہوا کہ وہ آگے نہیں بڑھ سکا۔ اس نے جنک کر دیکھا جیروں سے تار سے زیادہ باریک شے جکڑی ہوئی تھی اس نے چاہا پچھے مگر گردان میں بھی اسکی ہی ایک مصیبت تھی سامنے جابر کھڑا مکرار ہاتھ۔

”پھنس گئے نا آخر تم نے مجھے پھسانا چاہا اور خود وام میں آگئے شاید اگر مجھے پانچ منٹ کی بھی دری ہوئی تو تم نے تو مجھے ختم کر دیا تھا“ وہ کچھ دھمکے لبھے میں بولا۔ فریدی نے ہاتھ سے پستول نکالنے کی کوشش کی مگر پستول نکالنے سے پہلے ہاتھوں کی طاقت ختم ہو گئی جابر ہنسا۔

”یہ اتازی پن چھوڑو میں اتنا گدھا نہیں ہوں کہ تمہیں پستول نکالنے کا بھی موقع دوں یہ تار دیکھو بدی محنت سے تیار کئے ہیں میں نے ان کے ذریعہ انسانی جسم کی طاقت سلب ہو جاتی ہے۔ تم دیکھ سکتے ہو سوچ سکتے ہو مگر نہ بول سکتے ہو اور نہ

حرکت کر سکتے ہو..... اس تار کا نئی جرمی میں ڈاکٹر و ان رجی سے حاصل کیا گیا تھا۔“
وہ بولتا رہا..... غصہ سے اس کی بھویں تن گئی تھیں..... اس نے اپنی تاک انھائی اور اپنا
منہ فریدی کے بالکل سامنے لے آیا۔ فریدی کی آنکھیں خوف سے بند ہو گئیں..... منہ کے
اندر اس نے ایک تحملی بکار کی تھی۔

”فریدی میٹھے۔“ وہ چکارتے ہوئے بولا۔ ”دو چار سے بھڑگئے اور اپنے کو تمکی مارخان تصور
کر لیا..... یہ تحملی دیکھتے ہوئے اسے نکال لوں تو میری آواز سنتے ہی تم بیہو ش ہو جاؤ۔..... اس
میں ایک گولی چھوڑو..... آواز کرخت ہو گی..... دو..... اوسط..... تمن.....
نرم..... چار..... کرخت زنانی..... پانچ..... سریلی زنانی آواز..... سمجھے۔“
”مگر دیکھو..... تم بیہو ش ہونے کا ارادہ کر رہے ہو..... یہ بڑی بُردی بات ہے۔.....
خیر..... یہ بتاؤ..... کتابیں مجھے دو گے یا کتابت کی موت مرنا چاہیے ہو؟ بولو..... اچھا لو
میں جھیں تمہارے ایک ہاتھ کی طاقت واپس دینا ہوں۔“

جاہر نے ایک ہاتھ کا نکال لینے سے پہلے پستول اور خطوط اپنے پاس رکھ لئے اور
پھر فریدی کی طرف مخاطب ہوا۔

”اشادہ سے بتاؤ..... کتابیں دو گے یا نہیں۔“

- فریدی نے اشادے سے اسے اپنے پاس بلایا۔

”بالکل گھماڑ سمجھتے ہو..... میں تمہارے پاس آؤں..... تم مار ہی دو..... کون
جانے؟ خدی تو ہو، کتاب دو گے۔“

فریدی نے انکار کیا..... تمن پار اس نے پوچھا اور فریدی انکار ہی کرتا رہا۔

”خیر..... تم ذہین آدمی ہو..... اور ہندوستان میں ایسے آدمیوں کی کی ہے اس لئے
جمہیں مارنا نہیں چاہتا..... کیا فائدہ..... بتاؤ..... اچھا چھوٹیں جھیں جاہر کے ایک ہم
شکل کی لاش دوں گا..... شاید جیسے کشز بنا دیے جاؤ..... اس لئے کہ تمہاری حکومت کی کچھ
تجاری دستاویز بھی میرے پاس ہیں۔“

”بڑا نام ہو گا تمہارا..... میں وعدہ کرتا ہوں کہ پھر ہندوستان نہیں آؤں گا..... اب

دیجے ہو۔“

فریدی نے پھر انکار کیا۔

"دیکھو خدا نہ کرو..... تم مجھ سے بہت یاد ہے ہو..... میں ہزاروں سال زندہ رہنے کا

تجھ پر کر رہا ہوں۔"

"اس کتاب سے مجھے بڑی مدد ملے گی۔ انسانی خون کی جتنی مجھے ضرورت تھی وہ مجھے مل چکا ہے۔ مجھے ہتا دو..... میں تمہارا اعتبار کرتا ہوں۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا..... میرے پاس وقت نہیں ہے۔ ابھی اسی کمرے میں پہلے طارق آئے گا..... پھر تمہارے دوست ماتھر آئیں گے..... پھر عجیب صدیق احمد آئیں گے۔ پھر نواب رشید الزماں آئیں گے اور وہ حسین چھو کری غزالہ آئے گی اور تمہارے حمید آئیں گے۔ اس چھو کرے کو اچھی تربیت دے رہے ہو۔ خیر..... اگر کتاب نہ دو گے تو یہ سب مر جائیں گے۔"

فریدی نے پھر انکار کیا۔

"تب تم ایک یہ وقف آدمی ہو اور یہ وقف کے لئے بھی جگہ ہو سکتی ہے۔" جابر نے ایک شوکر ماری اور لاپریری کے نیچے کا حصہ پھٹا۔..... اور فریدی اندر دھنٹا چلا گیا۔ اس نے تخت رکھا اور قائم بچھا دیا۔ کمرے میں بے ہوشی کی گیس بھر رہی تھی۔

ننگی لا شیں

فریدی کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے کو ایک الماری نما خانے میں بندپلا۔..... اس کے ہاتھ اور پیروں میں قوت لوٹ آئی تھی۔ وہ بول بھی سکتا تھا۔..... لیکن اس کے منہ پر پٹی باندھ دی گئی تھی اور سارا بدن رسیوں سے جکڑ دیا گیا تھا۔

کمرے کا عجیب ہوتی تھا۔..... چاروں طرف انسانی بیٹھ رکھے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے مریاناوں میں عجیب و غریب طرح کی چیزیں بھری ہوئی تھیں۔ کمرے میں سیلن اور یو تھی۔ سامنے لگئے ہوئے چارٹ پر نمبر پڑے ہوئے تھے۔ اس کے اوپر جرمن زبان میں لکھا ہوا تھا۔



"چابر بھی بھی بلا وجہ کسی کو دعوت نہیں دیتا۔ اب تک اس چارٹ پر جتوں کے نام لکھے گئے ہیں، وہ سب اس کے مہمان رہ چکے ہیں اور ان سے وہ بہت کچھ حاصل بھی کر چکا ہے۔"

الماری کے بالکل سامنے ہی وہ چارٹ تھا..... چارٹ کے نیچے عجیب و غریب شکلیں نی ہوئی تھیں۔ دیواریں بہت بو سیدہ معلوم ہوتی تھیں۔ پورا حوال بھیاک تھا۔
چابر اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ کمرہ چاروں طرف سے بند تھا۔ یہ پر کی دھرم روشنی میں وہ اپنی میز کے سامنے پڑی تین بلکل لاشوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ چھپا کر تھا۔ مگر اس کی خوفناک چھوٹی چھوٹی آنکھیں چک رہی تھیں۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور لاشوں پر جھک کر غور سے دیکھنے لگا۔ میز پر سے ایک آلہ اٹھانے کے بعد اس نے لاش کے سینے کا ماحاش شروع کیا۔ ابھی اس کا یہ سلسہ جاری تھا کہ ایک دھماکے کے ساتھ ایک چوتحی لاش اس کے کمرے میں گری۔ "مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔" وہ بڑا بڑا اور اس کے کپڑے اتار کر اس نے اسے بھی بالکل نیک کر دیا اور ان تینوں کے بغل میں اس کو نہادیا۔ پھر کمزے میں لگے ہوئے ایک بڑے سے چارٹ پر اس نے لکھا نمبر ۲۴ اور کرسی پر بینچے کر دراز میں سے کچھ کاغذات نکال کر اسے دیکھنے لگا کہ ایک دوسرا دھماکہ ہوا اور اب پانچ میں لاش اس کمرے میں پڑی تھی۔

یہ لاش ایک خوبصورت سی نوجوان عورت کی تھی۔ وہ کچھ چوڑک سا پڑا۔ "آخر تم بھی آنکھیں، اچھا ہوا....." وہ پھر کچھ بڑا بڑا اور ایک بڑی سی الماری کے پاس جا کر رک گیا۔ اس کی آنکھوں کی چمک تیز ہو گئی اور پھر..... وہ کمرے میں ٹھلنے لگا۔ "لاش کے قریب آگر اس نے عورت کی لاش کو بھی ان لاشوں کے برابر ڈال دیا اور چارٹ پر نمبر ۵ لکھ کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ ابھی ایک خانہ خالی تھا۔ وہ اپنی کرسی پر آگر بینچے گیا اور یہ پر کی دھرم روشنی میں وہ چھپت کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ چھپت بالکل سپاٹ معلوم ہوتی تھی، جسے دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس میں کوئی جوڑ ہے اور یہ ذرا سا بیش دہانے سے کھل سکتی ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ "پرانی

چھٹ اس کے لئے کتنی کار آمد ثابت ہوئی ہے۔ ”گرمی سے پریشان ہو کر وہ ٹھلنے لگا۔ اسی طرح کا ایک دھماکہ ہوا..... چھٹ کھلی اور لاش اندر گر پڑی۔

”تم نے کافی انتظار کھلایا، خیراب مجھے کسی کا انتظار نہ کرتا پڑے گا۔“

وہ پھر بپڑ لیا اور اس کو بھی بالکل نیکا کر کے ان لاشوں کے بغل میں لٹادیا۔ چارٹ کا وہ خاتمہ جو خالی تھا ۲۶ نمبر سے بھر چکا تھا۔

اس نے ایک زور دار قہقہہ لگایا اور دیوار سے گلی ہوئی بڑی سی الماری کا پر دہ بھایا۔ ایک شخص رسیوں میں جکڑا ہوا کھڑا تھا۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ ”دیکھو تمہارے مہمان آئے ہوئے ہیں۔“ اس نے لاشوں کی طرف اشارہ کیا۔ بندھے ہوئے شخص کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو گئیں۔ اس نے رسیوں سے آزاد ہو جانے کے لئے بھرپور طاقت سے اپنے بازوؤں کو ہلا�ا لیکن رسی ڈس سے مکنہ ہوئی۔

”کیوں.....“ وہ شخص زور سے ہنڈا۔ ”میرا تام جانتے ہو..... میرے کاموں میں رخدہ ذاتے کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ میں نے تم سے کبی بار کہا کہ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ..... لیکن تم جانتے نہیں خیر یہ دیکھو..... انہیں پہچانو.....“ ”غزالہ“ اس نے لاشوں کی طرف اشارہ کیا۔ اور یہ ہیں مسٹر حید۔ ان سے مل کر تم کو ضرور خوشی ہوئی ہو گی اور یہ بیچارے نجی صاحب ہیں۔ نواب رشید الزماں سے تو مل لو..... اس نے بندھے ہوئے شخص کا شانہ ہلا�ا اور وہ دیکھو ماخر صاحب بیچارے کے چہرے پر روشنی ذرا کم پڑی ہے۔ معلوم ہوتا ہے انہوں نے ملزموں پر بہت ظلم کئے ہیں، کیوں کیا خیال ہے تمہارا.....!“ اس نے پھر چھیڑا۔

”شاید تمہیں ان مہمانوں سے مل کر خوشی نہ ہوئی ہو۔“ وہ بولا۔ اور پھر سب سے آخری لاش پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ ”دھرم دیکھنے سر کارا! یہ آپ کے خاص قدر دافنوں میں سے ہیں مسٹر طارق..... لیکن ان کا نہ ہوا اس وقت ان کے کاندھوں پر نہیں ہے۔“ یہ کہہ کر پھر اس نے الماری پر دہ ڈال دیا اور حید کی لاش اٹھا کر کرے کے باہر چلا گیا۔

تموڑی دیر بعد وہ اپنے ہاتھ میں ایک سفید سی شیشی لئے ہوئے واپس آیا۔..... اور شیشی میں سے تھوڑا سا سفوف نکال کر اس نے طارق کی ہاتک میں ڈال دیا اور کرے میں ٹھلنے لگا۔ اس نے کرے کی روشنی کم کر دی اور طارق کی لاش پر جھک گیا۔ تھوڑی دیر بعد لاش کو ایک چینیک آکی وہ

جلدی سے ہٹ گیا اور جیب سے ایک دوسری شیشی نکال کر اس کو سمجھ لیا۔ طارق کے جسم میں حرکت پیدا ہو چکی تھی۔

”میں..... میں کہاں ہوں.....!“ طارق کمرے کے چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا اور جب اس کی نظر اپنے برہنہ جسم پر پڑی تو وہ بوكھلا کر کھڑا ہو گیا۔
”ڈرو نہیں۔“

اس نے طارق کے شانے پر ہاتھ درکھا۔
”لیکن..... تم..... تم..... ہو کون..... ہو کے میرے ک..... ک..... کپڑے۔“ طارق نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

”یہ لو اپنے کپڑے، مگرہ اڈ نہیں.....! ابھی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میں کون ہوں۔“
طارق جلدی اپنے کپڑے پہننے لگا۔ جب وہ کپڑا اپنکا تو اس نے اپنے چہرے پر سے خاتمہ ہٹایا۔ ”فریدی“ طارق زور سے چیندا۔ ”کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔“

”نہیں آپ خواب نہیں دیکھ رہے ہیں۔ میں ہوں انکپڑے کمال احمد فریدی۔“
”لیکن یہ سب کیا تمپاگل تو نہیں ہو گئے ہو۔“ طارق بولا۔
”ابھی ہتا تا ہوں“ وہ بولا اور بعثتہ لا شون کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ نواب رشید الزمال اور غزالہ کے علاوہ سب کو ہوش آچکا تھا۔ وہ ان سب کے کپڑے دیتے ہوئے بولا۔
”مگر ایسے نہیں.....! ابھی آپ لوگوں کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔“ اور وہ نواب صاحب اور غزالہ کے من پرپانی کے چھینٹے دینے لگا۔

سب لوگ حیرت سے اس کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ فریدی بیہاں کس طرح پہنچا اور ہم لوگوں کو کس نے گرفتار کیا۔ وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ نواب صاحب اٹھ بیٹھے اور اس نے انہیں بھی کپڑے پہننے کو دے دیئے۔ نواب صاحب کی نظر جیسے ہی غزالہ پر پڑی وہ بڑے زور سے چیخے ”فریدی۔“

”نواب صاحب پریشان نہ ہوں.....! اس نے ہمدردی کے لمحہ میں کہا۔ شکر ہے کہ میں وقت پر پہنچ گیا.....! ورنہ آپ لوگوں کا نہ جانے کیا خواز ہوتا۔“
”میری بیجی۔“ نواب صاحب کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔

”مگر ایے نہیں..... ابھی ان کو بھی ہوش آجائے گا۔“ اس نے تسلی دی۔

”مسٹر فریدی کچھ بتائیے کہ واقعہ کیا ہے۔“ ماتھر نے پوچھا۔

”واقعہ تو کوئی خاص نہیں ہے۔“ وجہ سے پستول نکال کر اچھا لایا ہوا۔

”انہیں آپ دیکھ رہے ہیں۔ نواب رشید الزماں ایک بزرگ ہستی جن سے بھی اس بات کی امید نہیں رکھی جاسکتی کہ نواب زادہ شاکر علی کے قتل میں ان کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔“ اس نے پستول سے کھلیتے ہوئے کہا۔

”کیا کہتے ہو۔“ نواب صاحب غصہ میں کھڑے ہو گئے۔

”میں تمہیں اتنا ذلیل نہیں سمجھتا تھا..... میں نے تمہیں آج تک اپنے بیٹے کی طرح سمجھا۔ لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہاری لوگوں میں رذالت کا خون دوڑ رہا ہے..... کہیے ذلیل۔“

”بس..... بس..... نواب صاحب۔ آپ کے منہ سے گالیاں کچھ بھلی نہیں معلوم ہوتیں۔“ وہ مسکر لیا۔

”لیکن تم کو اپنے ہاتھوں میں قانون نہیں لیتا چاہئے تھا۔“ ماتھر افسر نہ اندراز میں بولا۔“ اور اگر تمہارے پاس اس کا ثبوت تھا کہ نواب رشید الزماں نواب زادہ شاکر علی کے قاتل ہیں یا ان کا اس قتل میں ہاتھ ہے تو تمہیں قانونی طور پر انہیں گرفتار کرنا چاہئے اور ہم لوگوں کا ہاتھ کس قتل میں ہے، جو اس طرح سے یہاں لائے گئے؟“

”ماتھر صاحب چونکہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ نواب زادہ شاکر علی کے قتل میں نواب صاحب کا ہاتھ ہے اور میرے پاس کوئی قانونی ثبوت نہیں ہے اس لئے مجھے ایسا کرنا پڑا اور چونکہ آپ پولیس کے ایک ذمہ دار آفیسر ہیں اس لئے آپ کے سامنے ان کا بیان ہو گا۔“

”فریدی خدا کے لئے ہوش میں آؤ..... آج تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ یہ سب کیا تماشہ ہے۔ اگر تمہیں یہ کرتا ہی تھا تو کپڑے ابtar کر ہم لوگوں کو ذلیل کرنے سے تم کیا کیا فائدہ پہنچا۔“

”فائدہ..... نج صاحب آپ ہمیشہ فائدے ہی کی سوچتے ہیں۔“ اس نے نج صاحب کو جواب دیا۔ ”آپ لوگوں کا اصلی روپ سمجھا ہے۔ آپ سب ذلیل ہیں، جو شرافت کا معنوی لباس پہن کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ خود جرم کر کے دوسروں کے سرخوب پڑتے ہیں۔ آپ کے ان نیاں جسموں کو نگاہی رہنا چاہئے۔ بالکل نہ۔ ایک کتنے کی طرح تاکہ آپ کسی کو دھوکہ نہ دے سکیں۔“

وہ غصے میں بکے جا رہا تھا اور نجی صاحب بیچارے کم کر چپ ہو گئے تھے۔ غزالہ کو ہوش آرہا تھا۔ نواب صاحب آہستہ آہستہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ غزالہ نے آنکھیں کھول دیں اور اپنے باپ کو اپنے پاس دیکھ کر اُسے کچھ اطمینان ہوا۔ وہ انٹھ کر بینہ گئی اور فریدی کی گفتگو غور سے سننے لگی۔

”بہر حال نواب صاحب کو یہ اقرار کرتا پڑے گا کہ شاکر علی کے قتل میں ان کا ہاتھ ہے۔“
اس نے آنکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھا۔

”یہ جھوٹ ہے..... یہ سب جھوٹ ہے.....!“ غزالہ چلائی۔

”کیا آپ کو بھی اس سے انکار ہے۔“ اس نے نواب صاحب سے دریافت کیا۔

”آخر تم چاہیے کیا ہو.....“ نواب صاحب عاجز ہو کر بولے۔

”یہی کہ آپ یہ لکھ کر دیجئے کہ نوابزادہ شاکر علی کے قتل میں آپ کا ہاتھ ہے۔“

”یہ کبھی نہیں ہو سکا۔“ نواب صاحب غصے میں بولے۔

”ہو سکتا ہے.....!“ اس نے پستول دکھایا۔

”مثہر و.....!“ ما تھر کری سے انھتاء ہوا بولا۔ ”تم بہت آگے بڑھ رہے ہو۔“

”اوو..... پر نندھ نٹ صاحب آپ کو غصہ آگیا۔ کری پر بینہ جائیے۔“

”لیکن تم یہ سب کیا کر رہے ہو۔“

”میں کچھ نہیں کر رہا ہو..... یہ کاغذ حاضر ہے..... اس پر لکھ دیجئے میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے جلدی کیجئے۔“

”لیکن.....!“

”لیکن کچھ نہیں جلدی کیجئے..... اور پر نندھ نٹ صاحب آپ کو گواہی دینا ہوگی۔“

اس نے پستول قریب کرتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب مجبوراً قلم انھاتے ہوئے بولے۔ ”کیا لکھوں؟“

”ہاں لکھئے.....!“

میں آج ان پیکر فریدی اور ما تھر صاحب پر نندھ نٹ کے سامنے اس بات کا اقرار کرتا ہوں
کہ نوابزادہ شاکر علی کے قتل میں میری بھی سازش تھی۔

نواب رشید الزماں بقلم خود۔"

"لیجھنا تھر صاحب اب آپ بھی گواہی کر دیجئے.....!" وہ سکر اتا ہوا بولا۔

"ہوں.....!" تھر نے اس کو گھورا اور پھر اس کاغذ پر اپنے دستخط کر دیئے۔

اس نے کاغذ اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ لوگوں کو بے حد تکلیف ہوئی جس کی میں معافی پاہتا ہوں....." غزال نے فترت سے منہ پھیر لیا۔

"اچھا اب آپ لوگ جاسکتے ہیں۔" اس نے تالی بجائی اور قور آٹھ خاب پوش کرے میں داخل ہوئے۔

"آپ لوگوں کو آرام سے چھوڑ آؤ۔" اس نے اشارہ کیا۔

اور خاب پوش ان لوگوں کو لے کر کرے سے باہر چلے گئے۔

کبوتروں کا خون

"اتھائی بندہ اتنی کاشوت ہے۔ اگر قیدی کرتا ہی تھا تو یہ ایک سرے سے ٹھاکر نے کی کون سی ضرورت تھی۔" حمید خاب پوش کو چاہٹ کرتے ہوئے بولا۔

"میں کیا جانوں یہ تو فریدی صاحب بتا سکتے ہیں۔" خاب پوش نے جواب دیا۔

"فریدی صاحب..... کیا مطلب.....!"

"جی ہاں..... آپ انہیں کے قیدی ہیں۔" خاب پوش بولا۔

"کیا بکتے ہو..... ماں اتنے بڑے ہو گئے اور تمہیں بجھوٹ بولنا بھی نہیں آیا اور یہ پستول تانے کیوں کھڑے ہو۔ جتنا اس کو میں بھاگا تھوڑی جادہ ہوں۔"

"لیجھ آپ کو یقین نہیں آ رہا تھا تو خود دیکھ لیجھ۔" فریدی صاحب خود آرہے ہیں۔ "خاب

پوش نے اشارہ کیا۔ اتنے میں وہ کرے میں داخل ہوا۔

"آپ.....؟" حمید کامنہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

”اس کے دونوں ہاتھ جیچے سے اچھی طرح باندھ دو۔“ اس نے قاب پوش کو حکم دیا۔
”حید نے غور سے اس کو دیکھا..... اوہ..... تم.....!“ اس کے منہ سے لگا۔
”اگر تم نے ذرا بھی حرکت کی تو۔“

”تو تم کوئی چلا دو گے۔“ حید نے جملہ پورا کیا۔
”لوپاندھ لو.....!“ حید نے منہ بنائ کر کہا۔

اور جب وہ آدمی حید کے دونوں ہاتھ باندھ چکا تو اس نے قاب پوش سے کہا۔ ”ان کو کوئی تر
خانے میں لے جاؤ۔ میں روشنی لے کر آتا ہوں۔“

تحوڑی دیر بعد وہ روشنی لے کر کوئی تر خانے میں آگیا، جہاں حید اس آدمی کے ساتھ پہلے
عی سے کھڑا تھا۔ کمرے میں ہزاروں کوئی تر پڑے ہوئے تھے جن کے پیٹ چاک کردیئے گئے تھے۔
”دیکھا.....!“ اس نے حید سے پوچھا۔

”ہاں دیکھ لیا.....!“ حید نے بے دلی سے جواب دیا۔
”خیں اوھر دیکھو.....!“

اس نے اپنی ناک کو پکڑ کر ایک جھکا دیا۔ حید نے دیکھا کہ اس کی مصنوعی ناک عاشر ہے اور
اسکی جگہ پر ایک بڑا سا گہر اغار ہے۔ حید نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔ ”جاہر“ اس کے منہ سے لگا۔
جاہر نے ایک زور دار قیچہ لگایا اور اپنی ناک لگاتے ہوئے بولا۔ ”دیکھا یہ میرا ایک معمولی سا
کرشمہ ہے۔ تمہارا استاد بھلا میرا مقابلہ کیا کر سکتا ہے۔“

”جاہر میں یہ مانتا ہوں کہ بھیس بدلتے میں تم استاد ہو۔ فریدی کا بھیس اس مقامی سے بدلا
ہے کہ کوئی تمھیں پیچاں نہیں سکتا۔ میں خود تھوڑی دیر کے لئے دھوکا کما گیا تھا، لیکن یہ یاد رکھو کہ
صورت سے فریدی بن سکتے ہو لیکن اس کی ذہانت نہیں پا سکتے۔“ حید نے جواب دیا۔

”خبر چھوڑو..... آدمیں تمھیں اپنے کبوتر دکھاؤ۔“

”یہ دیکھو مجھ صدیق احمد صاحب کا عزیز بزرگین کو تقری۔ یہ بالکل اصل نسل کا ہے۔“ جاہر
حید کو لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

”اور یہ نواب زادہ شاکر علی کا وہ افریقی ”شیر ازی“ ہے جس کی مجھے عرصہ سے ٹلاش تھی۔
ان کی نسل بہت کم ہے۔ یہ صرف افریقہ کے جنگلات میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی

خصوصیت یہ ہے کہ ان کے خون میں کچھ ممکن ہوتی ہے، جو انسان کے قلب کی ماہیت بدل دینے میں کار آمد ثابت ہوتے ہیں۔ اتفاقاً مجھے یہ کوئی تشریف علی کے بیہاں نظر آئے اور جس کے حاصل کرنے کے لئے مجھے ایک خون کرنا پڑا۔ ”جاپر اال دھاگے سے بندھے ہوئے ایک کوئی ترکو اخواتے ہوئے بولا۔ حید کا..... بدبو کی وجہ سے دماغ پھٹا جا، باحد۔ اس نے عاجز ہو کر کہا۔

”ہا۔..... ہاں میں نے سب دیکھ لیا۔“

”واہ..... لمپٹ کمی تو تم نے دیکھا ہی نہیں۔“ جابر نے ایک کوئی طرف اشارہ کیا۔

”یہ کوئی نظر علی صاحب کے ایک دوست ان کے لئے عرب سے لائے تھے۔“

”اس کی بڑیاں بڑی کار آمد ہوتی ہیں۔ اس کے سفوف سے چہرے کا رنگ بدل دینے کا ایسا پاؤڑ تیار ہوتا ہے جو بغیر دواؤں کی مدد سے نہیں چھوٹتا۔ سو ستر لینڈ میں تین سال تک اس پاؤڑ کی مدد سے اپنارنگ بدلے ہوئے تھا اور یہ چاند تھا ہے، یہ جو گی تیر، یہ غفوری، یہ لشما یہ گرد بات.....“

جاپر نے مختلف کوئی طرف اشارہ کیا۔

”اچھا اب تم چلو آرام کرو..... مجھے تمہارے استاد سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“

جاپر نے حید کو ایک نقاب پوش کے حوالہ کیا اور خود اپنے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ کمرے میں بیٹھ کر اس نے الماری کا پر دہ ہٹایا۔ ”کہنے فریدی صاحب جابر کی طاقت کا آپ کو اندازہ ہو گیا۔ اب بھی بہتر ہے کہ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔.....“ جابر نے فریدی کا منہ کھولتے ہوئے کہا۔ فریدی نے تھک کر اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

”اچھا اب تم الماری میں سے نکل آؤ۔“

جاپر نے فریدی کے ارد گرد لپٹی ہوئی رسیوں کو کھول دیا لیکن اسکے ہاتھ بندھے رہنے دیئے۔ رسی کھلتے ہی فریدی فرش پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔ جابر اس کو ہوش میں لاٹنے کے لئے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔ تھوڑی لا ہر بعد فریدی کو ہوش آگیا۔

”فریدی تمہاری ذہانت کا مجھے اقرار ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارے خون سے اپنے ہاتھ رنگوں، بہتر ہے تم مجھے وہ دو توں کتابیں ”روح اور اس کی ماہیت“ اور ”قلمی خاکے“ واپس کر کے میرا بیچا چھوڑو۔ ان کتابوں کو حاصل کرنے کے لئے مجھے کیا کیا کرنا پڑا ہے۔ یہ میں جانتا ہوں۔“

”جاپر اگر تم یہ سمجھتے ہو کر میں اس وقت تمہارے بس میں ہوں اور ڈر کے مارے میں اپنے

فرض سے سکدوش ہو جاؤں گا۔ تو تمہارا یہ خیال نettle ہے۔ میں تم مجھے لوگوں کو جو ایک خطرناک زہر کی طرح سے انماں کی زندگیاں جانے کرنے پر تسلی ہوئے ہوں، ختم کر دینا پاہتا ہوں۔ میں اگر موت سے ڈر رہا تو یہ پیش اختیار ہی نہ کرتا۔ تمہارے ہاتھ میں پتوں ہے تم مجھے ختم کر سکتے ہو..... لیکن وہ کہتا ہے..... جن سے تم اور تمہاری براوری غلو قائدہ اٹھاتی رہے گی میں کبھی تمہارے حوالے نہیں رکتا۔"

"فریدی.....!" جابر نے خصہ سے کہا۔ "بہتر ہے کہ تم اپنے فیصلہ پر پھر ایک بار غور کرو۔ تم نے اب تک مجھے کافی نقصان پہنچایا ہے اور میں ٹالا رہا۔ لیکن اس بار میں اتنے بڑے نقصان کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

"نقصان..... اور تمہارا، مجھے وہ کہاں تھہارے باپ داوا کی ملکیت ہیں۔"

"حد سے مت بڑھو فریدی، تم بھول رہے ہو کہ اس وقت تم جابر سے باتیں کر رہے ہو۔"

"اور جابر تم بھی یہ نہ بھولو کہ آج تم..... نے نواب رشید الزماں وغیرہ کے ساتھ جو ذیل برداشت کیا ہے، اس سے میراخون کھول رہا ہے۔"

"آجھی کیا کیا ہے۔" اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو اس سے بھی نہ انتہج ہو گا..... خیر..... اس وقت رات کے گیارہ بجے ہیں، میں کل بارہ بجے رات تک تم کو موقع دیتا ہوں، کیونکہ کل رات مجھے سینہ جنی لاں کی لڑکی کے گلے سے ہیرے کا ہدایہ اور ہر انہیں اپنے سنس کی تجوہی سے صرف پچاس ہزار لینے ہیں اور لگے ہاتھوں رشید الزماں سے بھی ملاقات کروں گا..... دوبارہ مل کر وہ ضرور خوش ہوں گے اور اس تحریر کے ذریعہ کچھ روپے بھی مل جائیں گے۔" جابر پہنچا۔ "جانتے ہو، فریدی مجھے تمہارا بھیس اور آواز بدلتے کے لئے کافی عرصہ تک محنت کرنی پڑی ہے اور اب میں اتنا کامیاب ہو گیا ہوں کہ نواب رشید الزماں، غزال اور ماصر کوئی بھی مجھے نہیں پہچان سکا۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ حمید بھی نہ توڑی لا رکے لئے دھوکا لکھا گیا تھا۔"

"حید کیا میں خود تمہیں ایک نظر میں نہیں پہچان سکا تھا۔ لیکن جابر یاد رکھو کہ تم زیادہ عرصہ تک لوگوں کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ ایک فریدی مر سکتا ہے، لیکن یہ نہ بھولو کہ ہزاروں فریدی کی بیوی اہو سکتے ہیں۔" فریدی بولا۔

"مجھے پرواہ نہیں..... میں اپنے راستے میں آئے ہوئے لوگوں کو ایک معمولی پتھر کے

مکونے کی طرح اپنی شوکر سے ہٹا دیا ہوں۔ ”

”اچھا باب میں چلا..... تھیک بارہ بجے یہاں پہنچ جاؤں گا..... تم اپنا فصلہ سوچ رکھنا۔“
جاپریہ کہتا ہوا باہر نکل گیا اور فریدی کو کمرے میں بند کر دیا۔

نقج گیا

رات بھر جانے کی وجہ سے نواب رشید الزماں کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب غزال کنو
ظفر علی خاں سے رات کے گذرے ہوئے واقعات بیان کر رہی تھی۔

”پھر آپ لوگ یہاں تک کس طرح پہنچیں۔“ کنور ظفر علی نے سوال کیا۔

”ہم لوگوں کو آنکھوں پر پٹا باندھ کر ایک موڑ پر بھادایا گیا اور تمنے چار گھنٹے تک چلنے کے بعد ہم ایک سناں جگہ پر اتاردیئے گئے۔ ہمارے ہاتھوں کی رسیاں کھول دی گئیں اور ہم لوگ کافی حصہ تک اور ہر اور بھلکتے رہے پر ماختر صاحب کو راستیاں آگیا اور ہم لوگ یہاں پہنچ گئے۔“
”لیکن اس فعل سے فریدی کا کیا مقصد تھا.....“ کنور ظفر علی کچھ سوچنے ہوئے بوئے۔
”کنور صاحب اب اس کام نہ لجئے۔ اس دنیا میں اب کسی پر بھروسہ نہیں کیا جاسکا۔“ غزال
ٹھکنیں آواز میں بولی۔

”میکا یہ ممکن نہیں ہے کہ تم لوگوں نے دھوکہ کھایا ہو اور فریدی کے بجائے وہ کوئی دوسرا شخص رہا ہو۔“

”تمیں کنور صاحب وہ فریدی ہی تھے۔ وہی صورت وہی اب وہی۔“ غزال نے تردید کی۔
”اور سارے جنت حید کہاں ہیں۔“ کنور نے سوال کیا۔

”اُن کا کچھ پہ نہیں۔“ غزال بولی۔

”اچھا باب تم آرام کرو، بہت تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہو۔ میں ذرا ماختر صاحب کے یہاں
چار ہاؤں..... فریدی پر بجھے پہلے ہی سے شہبہ تھا۔“

"بہر حال اب معاملہ خطرناک صورت اختیار کر رہا ہے۔"

کنور ظفر علی غزالہ سے رخصت ہو کر سید ہے ماختر صاحب کے بھگہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کنور صاحب ابھی تھوڑی ہی دور پڑے ہوں گے کہ ایک موثر تیزی سے ان کے قریب ہی ایک کانٹہ کا ٹکڑا اگر اتنی ہوئی گذر گئی۔ انہوں نے اُسے اٹھا کر پڑھا، لکھا تھا۔

"ستا ہوں کہ میں فریدی صاحب کا قیدی ہوں، لیکن یقین نہیں آتا، آج رات کو یہ لوگ رائے بہادر بیشمر نگہ کی کوئی پرچھا پہنچانے والے ہیں۔
حید۔"

کنور ظفر علی خاں نے وہ پر زہ اپنی جیب میں رکھا اور تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا ماختر صاحب کے بھگہ پر بھیج گیا۔

ماختر صاحب ابھی ابھی سو کر اٹھے تھے۔ کنور صاحب کی آمد کی اطلاع سن کر وہ فوراً باہر آگئے۔
لیتا ہاؤں کنور صاحب رات.....!"

"مجھے غزالہ سے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ واقعی یہ نہایت حیرت انگیز واقعہ ہے۔"
آپ کس نتیجہ پر پہنچے۔ "کنور ظفر نے سوال کیا۔

"بھی ابھی تک تو کچھ بھی سوچنے اور سمجھنے کا موقع نہیں ملا۔" ماختر صاحب نے سگریٹ کا شش لگاتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... ابھی جب میں آپ کے بیہاں آرہا تھا تو ایک نیا واقعہ چیز آیا۔" کنور ظفر علی نے وہ پر زہ دکھایا جو موثر سے گردیا گیا تھا۔

ماختر نے وہ پر زہ پڑھتے ہی جلدی سے سوال کیا۔ "آپ نے موثر کا نمبر دیکھا تھا۔"

"جب تک میں پر زہ اٹھاؤں، موثر بہت دور نکل چکی تھی اور پہلے سے اس بات کا علم تو تھا نہیں کہ فوراً نمبر نوت کر لیتا۔" کنور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
اچھے میں تو کرچاۓ لے کر آگیا۔

"اچھا آئیے کنور صاحب..... اب چائے نبی لمی جائے۔" ماختر بیالی نمیں چائے اٹھیتے ہوئے بولے۔

"حید کی اس تحریر پر کیا کارروائی کیجئے گا۔" کنور نے چائے کا گھوٹ لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہ تحریر فرضی معلوم ہوتی ہے۔" ماخر نے کہا۔

"بہر حال آپ جیسا مناسب مجھے..... لیکن نواب صاحب کی اس تحریر کے متعلق کیا ہو گا، جسے فریدی نے زبردستی لکھا ہے اور اس پر آپ کے بھی دستخط ہیں۔"

"ہاں یہ محاصلہ قاتوفی طور پر ذرا اہم ہے، بہر حال آج میں انپکڑ جزل کو فون کر کے تمام واقعات ان سے بیان کرتا ہوں۔ آپ ذرا تکلیف کر کے نواب صاحب اور مسٹر طارق سے کہہ دیجئے کہ وہ مجھ سے دفتر میں ضرور مل لیں۔"

"اچھی بات ہے..... تو اب مجھے اجازت دیجئے۔ ذرا نواب صاحب کا خیال رکھئے....."

غزالہ بے حد پریشان ہے۔"

"ہاں..... میں اپنی پوری کوشش کروں گا، زیادہ گھبرا نے کی ضرورت نہیں ہے۔" ماخر نے تسلی دی۔

کنور ظفر وہاں سے رخصت ہو کر سید حاگر پہنچا۔ نواب رشید الزماں اور طارق کو ماخر صاحب کے یہاں بھیج کر وہ سعیدہ اور غزالہ کی باتیں سننے لگا۔

"مجھے سخت تعجب ہے کہ فریدی نے کنور ظفر کو کیسے چھوڑ دیا۔ کیونکہ ظفر صاحب ان کے خلاف رہے ہیں اور ایک مرتبہ وہاں کو پسول کا نشانہ بھی بنانے جا رہے تھے۔"

"مجھے خود اس بات سے حرمت ہے۔" کنور ظفر بولے۔

"خیر..... ہو گا تم لوگ باتیں کرو، میں کھانا کھانے جا رہا ہوں۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔" کنور کھانا کھا کر کافی دیر تک کتاب پڑھتے رہے اور کتاب پڑھتے پڑھتے سو گئے۔

ان کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب ریحانہ انہیں جگاری تھی۔ شام ہو چکی تھی۔ وہ جلدی سے اٹھے اور منہ ہاتھ دھو کر برآمدے میں نکل آئے جہاں نواب رشید الزماں اور طارق بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

"کہنے ماخر صاحب نے کیا کہا۔" کنور ظفر نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں..... وہ اس وقت مشغول تھے۔ حید کے اس خط پر جو تم کو ملا تھا انہوں نے اعتیاٹا وہاں پولیس تھیں کر دی ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے ضروری احکامات صادر کر دیے۔ آج رات کو وہ خود یہاں آئیں گے۔ اس وقت مفصل باتیں ہوں گی۔"

نواب رشید الزماں طارق اور کنور صاحب میں کافی دیر مک اسی موضوع پر گفتگو ہوتی رہی کہ کھانے کا وقت آگیا۔ نواب صاحب اور طارق کھانا کھانے پڑے گئے۔ کنور کو بھوک نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا اور وہ سعیدہ سے ادھر اور ہر کی باتیں کرنے لگے۔ کھانے سے فراگت پانے کے بعد وہ لوگ پھر آگرداں میں بینچے گئے۔

"ابھی تک ماخر صاحب نہیں آئے۔" نواب رشید الزماں صاحب بولے۔ "ہاں ان سے یہ ضرور کہہ دیجئے گا کہ وہ پولیس یہاں تھیں کہ دیں کیونکہ غزالہ بے حد خوف زدہ ہے۔" سعیدہ نے نواب صاحب سے کہا۔

اسخنے میں کچھ آہٹ سنائی دی۔ طارق نے کہا۔ "لو شاید ماخر صاحب آگئے۔" سب کی نظریں اٹھ گئیں۔ لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا کہ یا کیک ٹارچ کی چار پانچ تیز روشنیاں ان کے چہروں پر پڑنے لگیں جس سے سب کی آنکھیں چدھیا گئیں۔ دوسرا لمحہ روشنی بچھی تھی اور ایک آدمی سیاہ نقاب ڈالے پستول لئے ہوئے کھڑا تھا۔ یہ چھے تین نقاب پوش اور کمرے تھے۔

سعیدہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ کنور ظفر علی اور نواب صاحب چلانا ہی چاہے تھے کہ اس نے پستول سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے راہوں ڈاکو کہتے ہیں۔" نقاب پوش بولا۔ "لیکن نواب صاحب مجھے آپ کے ساتھ ہمدردی ہے اور ہمدردی صرف اس لئے ہے کہ اس میں میرا قائد ہے۔ میں نے آپ کی وہ تحریر حاصل کر لی ہے جسے آپ فریدی کو لکھ کر دے آئے تھے۔" اس نے نواب کی تحریر جیب سے نکالتے ہوئے دکھلایا۔

نواب صاحب نے ہاتھ بڑھایا۔ "مثہر ہے۔" وہ بولا۔ "اس تحریر کے لئے آپ کو صرف پندرہ ہزار روپے دینے پڑیں گے۔ جلدی کیجئے۔"

"لیکن.....!"

"کچھ نہیں اگر آپ کے پاس روپے نہ ہوں تو اپنی یہ ہیرے کی اگونچی اہر ہے۔ بہت جلد..... میرے پاس وقت نہیں۔ میں زبان کا پکا ہوں..... اگونچی ملتے ہی یہ تحریر آپ کو

مل جائے گی۔"

نواب صاحب نے مجبور آپنی انکو خی اتار کر اس کے حوالے کر دی۔

"یہ لیجھے اپنی تحریر۔" اس نے کاغذ نواب صاحب کی طرف پھینکا اور پستول دکھاتا ہوا لیچھے بننے لگا۔ کچھ فاصلہ پر لیچھے کر اس نے کوئی چیز ان لوگوں کی طرف فرش پر چھیلی جس کے گرنے سے سب لوگوں کی آنکھوں میں دھواں بھر گیا اور پانی بہتا شروع ہوا۔

تحوڑی دیر بعد جب گیس کا اثر زائل ہو گیا تو کنور صاحب بولے "معاملہ سر سے او نچا ہوتا جاتا ہے۔"

"ہاں یہ سب پویس کی غلطت کا نتیجہ ہے۔" طارق نے تائید میں کہا۔

"بھی میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ اس ضمیمی کے عالم میں سب مجھے ہی نشانہ ہاتے ہوئے ہوئے ہیں۔ آخر میں نے ان لوگوں کا کیا بکاڑا ہے۔" نواب رشید الزماں نے رومند ہے ہوئے لپے میں کہا۔

غزالہ خاموش بیٹھی ہوئی تھی، اس کے سوپنے کی طاقت جواب دے بھلی تھی۔ وہ فریدی جس کے لئے اس نے اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کی تھی اس نے کیا نہ اسلوک کیا ہے۔ پھر دوسروں سے کیا امید رکھی جا سکتی ہے۔

"بیٹھی زیادہ پر بیشان ہونے کی ضرورت نہیں، اب میں نواب صاحب کو سمجھی رائے دوں گا کہ وہ جلد سے جلد واپس لوٹ چلیں۔" طارق نے غزالہ کو تسلی دی۔

ابھی یہ باتیں ہوئی رہیں کہ فریدی بانپتا ہوا آتا و کمالی دیا۔ اس کے کپڑے مٹی سے بھرے ہوئے تھے اور منڈپ پر جا بجا خراشیں پڑی ہوئی تھیں۔

کنور ظفر علی فریدی کو دیکھتے ہی اس کی طرف غصہ سے بڑھے۔ نواب رشید الزماں اور طارق بھی کھڑے ہو گئے۔

"نمہر یے۔" فریدی بولا۔ "آپ لوگوں کو بہت زبردست دھوکا دیا گیا ہے۔"

"دھوکا..... بے ایمان کہیں کا۔" کنور ظفر علی نے بڑھ کر فریدی کا گریبان پکڑا۔ "میں کہتا ہوں خدا کے لئے میری بات سن لیجھے۔ صرف دو منٹ کے لئے درندہ دشمن ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اگر مجھے آپ لوگوں کو دھوکا دیتا ہو تو میں خالی ہاتھ یہاں بھی نہ آتا۔ وہ جابر تھا۔ جس نے

میرے بھیں میں آپ لوگوں کو گرفتار کیا۔ وہ یہاں بھی آنے والا ہے، آپ کی تحریر دکھا کر آپ بلک میل کرے گا۔ میں خود اس کی قید میں تھا۔ بڑی مغلبوں سے چھکارا حاصل کیا۔ یہ دیکھئے میرے ہاتھ جل گئے ہیں۔ ”فریدی ایک ہی سال میں سب کہہ گیا اور اس نے اپنے ہاتھ دکھائے جوئے طرح جل گئے تھے۔

کنور کی گرفت ڈھلی ہو گئی اور وہ فریدی کو چھوڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ نواب رشید الزماں اور طارق بھی غور سے اس کو دیکھنے لگے۔

”خیں بیناواقی ہم لوگوں کو بہت زبردست دھو کا دیا گیا ہے۔ مجھے تو خود حیرت تھی کہ تم کیا کر رہے ہو۔ بس پیچاں خیں سکے۔“

”ہاں..... اور اس نے چالا کیا یہ کی تھی کہ آپ لوگوں کو ہوش میں لانے سے پہلے یہ پر کی روشنی بھی کم کر دی گئی تھی کہ چہرے کے خدو خال صاف طور سے نظر نہ آئیں۔ اچھا یہ سب باقی بعد میں ہوں گی۔“

”وہ یہاں آتا ہی ہو گا..... اس لئے ہم لوگوں کو تیار ہو جانا چاہئے۔ میں نے حید کو ماتھر صاحب کے بغل پر روانہ کر دیا ہے۔ وہ آتے ہوں گے۔“ فریدی بولا۔

”لیکن ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ چار قاب پوش آئے تھے، جس میں سے ایک اپنے کو راہوں بتا تھا، اور وہ نواب صاحب کو یہ تحریر دے کر ان کی ہیرے کی انگوٹھی لے گیا۔“

”لے گیا.....!“ فریدی نے اس طرح کہا جیسے اس کا پہلے سے یقین رہا ہو۔

اتھے میں ماتھر صاحب بھی آگئے اور نواب رشید الزماں نے ”راہوں“ کی ہازہ واردات کی تفصیل بیان کرنا شروع کر دی۔

”اوہ..... فریدی..... اگر حید مجھ سے تمام واقعات نہ بیان کرتا تو میں دھو کے میں تمہیں ضرور گرفتار کر لیتا.....!“ ماتھر صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

”اچھا ماتھر صاحب وقت بہت کم ہے۔ جلدی کچھ نہ رہنے دشمن پھر ہاتھ سے نکل جائے گا۔ غالباً آپ نے جتنی لال اور ہری نرائی ایڈنسز کے یہاں پولیس کا مکمل انتظام کر دیا ہو گا۔“ فریدی بولا۔

”ہاں..... میں نے وہاں کے لئے تمام انتظامات مکمل کر دیئے اور کل رات کے حداث کی اطلاع میں نے فون کے ذریعہ اپنے جزل کو کر دی تھی۔ وہاں سے بہت سخت احکامات ملے ہیں۔ وہ

پر سوں خود بہاں پہنچ رہے ہیں۔ ”

”اچھا..... خیر..... اب جلدی کرنا چاہئے۔“ فریدی نے کہا۔

لیکن ابھی تک حمید نہیں آئے۔ ماخمر بولے۔

”وہ آچاکیں گے، میں نے انہیں پہ بنا دیا ہے، اب چلتے..... احتیاط آئندہ س کا نشیلوں کو بہاں چھوڑ دیجئے اور آپ لوگ اطمینان سے سوئے۔ پولیس آپ لوگوں کی حالت کے لئے ہے۔ کوئی ڈرنے کی بات نہیں۔“ فریدی کی نواب رشد اٹھاں سے مخاطب ہو کر بولا۔

فریدی اور ماخمر سپاہیوں کو لے کر نواب زادہ شاکر کے کتب خانے کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر فریدی کی ہدایت کے مطابق پولیس نے لا بھری ی کا اچھی طرح حاصلہ کر لیا اور خود فریدی، ماخمر اور دو انکشڑ پولیس لا بھری ی کے دروازے کے سامنے کچھ قابلہ پر چھپ کر بیٹھ گئے۔

”آپ کی گھری میں کیا بجا ہے؟“ فریدی نے ماخمر سے دریافت کیا۔

”لیارہنگ کر پندرہ مت.....!“

”بس وہ آیا ہی چاہتا ہے، کیونکہ بارہ بجے تک اس کو بہاں ضرور پہنچ جانا چاہئے۔“

اتنے میں کوئی شخص تیزی سے لا بھری ی کی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔

”وہ دیکھنے کوئی آرہا ہے۔“ ایک انکشڑ نے اشارہ کیا۔

ماخمر نے پتوں سنجالا۔

”ٹھہریے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”یہ حمید ہے۔“

حمد فریدی کے قریب آ کر بولا۔ ”ابھی تک دونوں بھگھوں پر کوئی واردات نہیں ہوئی۔“

”ہمیں.....!“ فریدی نے تجب سے کہا۔

”مجی ہاں..... بہر حال پولیس دہاں موجود ہے۔“

”اچھا..... خیر تم بیٹھ جاؤ۔“ اور فریدی کچھ سوچنے لگا۔

بیٹھنے بیٹھنے جب کافی عرصہ ہو گیا تو فریدی نے پھر وقت پوچھا۔ ”اب ٹھیک بارہ بجے

ہیں.....!“ ماخمر نے جواب دیا۔

فریدی تشویش بھرے لجھے میں بولا۔ ”اب قید خانے کے اندر چلا چاہئے۔“

”لیکن وہاں پھر کوئی نبی مصیبت نہ چیز آجائے۔“ حمید بولا۔

”جو کچھ بھی ہو لیکن اب ہم لوگوں کو اندر چلاتا ہی پڑے گا کیونکہ مجھے یقین ہو رہا ہے کہ وہ کچھ بھانپ گیا ہے۔“

”چیز، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ”کوئی ترخانہ“ بہت پسند آگیا۔“ حمید اٹھتے ہوئے بولا۔

فریدی، حمید، ماختر اور وہ دونوں سب اسپکٹر لا بیریری کی طرف روانہ ہوئے۔ لا بیریری میں پہنچ کر فریدی نے قائم ہٹایا اور ایک چھوٹا ہٹاں جو فرش میں لگا ہوا تھا۔ اس کو دیلا۔ تخت ہٹ گیا جس سے اندر کا کمرہ صاف نظر آنے لگا۔ فریدی پستول لئے ہوئے آہستہ سے اس میں کوڈا، پھر حمید، ماختر اور اسپکٹر بھی کمرے میں کوڈ پڑے۔ اندر بالکل اندر ہمراحت۔ فریدی نے تارچ جلائی۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ البتہ تمام چیزیں سکھری ہوئی پڑی تھیں اور کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

”کمرے کا دروازہ کیسے کھلا، یہ تو باہر سے بند تھا۔“ فریدی بولا۔

”اچھا حمید تم پچھلے دروازے سے جدھر سے میں تمہارے پاس آیا تھا کچھ سپاہیوں کو لے کر داخل ہو چاہو۔ ذرا ہوشیار رہتا۔“

حمدیہ چھت پکڑ کر اوپر چڑھ گیا اور فریدی اس کمرے سے باہر نکلا۔ تارچ کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ چار آدمی زمین پر مردہ پڑے ہوئے ہیں۔

”دیکھا آپ نے..... مجھے پہلے ہی سے یقین تھا کہ وہ بھاگ گیا۔“ فریدی ماختر سے مخاطب ہوا۔

”لیکن اس میں بھی اس کی کوئی چال نہ ہو۔“ ماختر بولا۔

اتھے میں حمید بھی سپاہیوں کو لے کر دوسرا دروازے سے داخل ہوا۔ تمہرے خانے کا کونہ کوئی دیکھا گیا، لیکن وہاں کوئی نہ تھا سوائے اس کے کہ ”کوئی ترخانہ“ پر ان لوگوں کو دو لاشیں اور ملیں۔

فریدی یک بیک، کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

”ماختر صاحب جلدی سے ایک موڑ کا انتظام کیجئے۔ وہ یہاں سے بیچ کر نکل گیا۔ لیکن اب بھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ جاتے ہوئے وہ اپنے ان ساتھیوں کو ملاد گیا ہے۔“

سب لوگ جلدی سے تمہرے خانے سے نکل آئے اور فوراً ایک سپاہی کو موڑ لانے کے لئے

بیجا۔ فریدی بے چنی سے ٹلنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص طرح کی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ ”مہید قرایرے ساتھ آؤ۔“ فریدی حمید کو لئے ہوئے پھر تمہارے خانے میں داخل ہوا اور باہر کرے کا چھپی طرح جائزہ لینے لگا۔ وہ میز کی دراز کوکھوں کر کچھ ڈھونڈنے لگا۔ جس میں چند غیر ضروری کاغذات کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ پھر اس نے اور اُدھر کچھ عاش کیا تھا کیونکہ کوئی اُنکی چیز نہیں ملی جو اس کے لئے کار آمد ثابت ہوتی۔ البتہ اس نے الماری میں سے چند خلطواڑ اور کچھ کاغذات نکال کر اپنی جیب میں رکھے اور حمید سے بولا۔ ”جلدی چلو۔“

دونوں بیسے عی باہر نکلے دیے ہی موڑ آگئی۔ ماخر نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ سب لاشوں کو انداز کر کو تو ای لے جائیں اور کچھ سپاہی یہاں رہ جائیں۔

موڑ پر ماخر اور دونوں انسپکٹر پولیس اور چند سپاہی بیٹھ گئے۔

”حمد تم بھی بیٹھ جاؤ۔“ فریدی کہتا ہوا اُزار اسپور کی بغل میں بیٹھ گیا۔ ”آخر لاج“ جلدی چلو۔

فریدی نے ڈر اسپور سے کہا۔
”موڑی دیر بعد موڑ اختر لاج کے سامنے کھڑی تھی۔ فریدی کو دکر اترا اور سید حاسیدہ کے کرے کی طرف بڑھا۔ سعیدہ کے کرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ فریدی نے دروازہ مکمل کھایا۔

”کون.....!“ سعیدہ نے پوچھا۔

”میں ہوں فریدی۔“

سعیدہ نے دروازہ کھو لتے ہوئے پوچھا۔ ”کہے خیرت تو ہے؟“

”ہاں سب نحیک ہے، پہلے یہ بتاؤ کہ لیفٹینٹ بالقر کی تم سے کب ملاقات ہوئی تھی؟“

”تمن روز پیشتر..... مگر آپ اس قدر گھبرا کر بھیا کو کیوں پوچھ رہے ہیں۔“ سعیدہ نے

سوال کیا۔

”کچھ نہیں تم پر بیثان نہ ہو..... یہ میں بعد میں بتا دوں گا۔“

”انہوں نے تم سے کچھ بتایا تھا.....؟“ فریدی نے سوال کیا۔

”ہاں..... وہ یہ کہہ رہے تھے کہ میں ایک کام سے کلکتہ جانے والا ہوں۔“ سعیدہ نے

جواب دیا۔

”ہوں..... اور کچھ کہہ رہے تھے۔“

"نہیں۔"

"اچھا بے میں جا رہا ہوں، وقت بالکل نہیں، پھر تمام و اعات بتاؤں گا۔ نواب صاحب وغیرہ سے کہہ دینا کہ جا برقی کرنے کل گیا۔ ہم لوگ اس کا پتچار کرنے جاد ہے ہیں۔" فریدی یہ کہتا ہوا تیزی سے لٹکا اور موڑ میں آکر بیٹھ گیا۔

سمندری لڑائی

رات کے دو بجے تھے، موڑ تیزی سے سرک کو پیچے چھوڑتی ہوئی بھاگی جاری تھی۔ فریدی ذرا سوچ سے اور تیز پڑنے کو کہہ رہا تھا۔

"لیکن مجھے تو ذرگد ہا ہے۔" حمید نے بُرا بُرا کہہ کر کہا۔
"کیوں.....؟" فریدی نے دریافت کیا۔

"اس نے کہ ابھی ملک الموت اس آدمی کی روح قبض کرنے کے لئے تشریف لا سیں گے اور کہنیں وہ بھولے سے ہم لوگوں کی طرف گوم پڑے تب.....؟" حمید نے اس طرح مقصود انداز میں کہا کہ سب کو فہمی آگئی۔

"تم اپنی حرکت سے باز نہیں آؤ گے حمید.....!" فریدی بولا۔

"اور یہی شکایت مجھے آپ سے ہے، میٹھے بھائے ایک مصیبت مولی ہے۔ نہ معلوم بیچاری "شہزاد" کا کیا حال ہے۔" حمید نے ایک خندھی سانس لے کر کہا۔
"اچھا آپ اپنی بکواس ختم کیجئے۔"

"لیکن میں پھر آپ سے کہتا ہوں جیسا کہ میں نے اس کی گنتگو سنی ہے، اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہندیاں جو اس نے حاصل کی ہیں وہ ۲۰۰ ہزار روپیے کے بعد بیکار ہو جائیں گی۔ آج پندرہ ہزار روپیے اس نے میرا خیال ہے کہ وہ ملکت میں بالکل قیام نہیں کرے گا بلکہ سید حاجیو اجائے گا

اس لئے ہم لوگوں کو کلکت پہنچنے کے بعد فور آہوائی اڑاے پر پہنچنا چاہئے۔ ”حید نے کہا۔
”تم بالکل صحیح کہتے ہو..... ہم لوگوں کو سیدھا ہوائی اور بھری اڑاے پر پہنچنا چاہئے۔“
فریدی بولا۔

راتے بھر فریدی کی ڈرائیور سے موٹر کی رفتار تیز کرنے کی تاکید کر تارہ۔ سنان سڑک پر موڑ
اپنی پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ لیکن فریدی چاہتا تھا کہ کسی طرح اڑ کر جلدی سے کلکت پہنچ
جائے۔

”ڈرائیور..... اور سین.....!“ فریدی نے کہا۔

”حضور موڑ اپنی پوری رفتار میں ہے.....“ اس نے جواب دیا۔

فریدی ”اچھا“ کہہ کر چپ ہو گیا اور وہ کلکت پہنچنے کے بعد کے پروگرام سوچنے لگا۔
دن کافی چڑھ پکا تھا۔ حید کامارے بھوک کے نہ احوال تھا۔ کونک۔ آج کئی روز سے اُسے
قاعدے سے کھانا نہیں ملا تھا۔ لیکن فریدی کے ذر سے بالکل خاموش تھا۔

کلکتہ قریب آگیا تھا کیونکہ آبادی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد موڑ شہر میں
 داخل ہوئی۔

ہوائی اڑاے پر پہنچ کر فریدی کو معلوم ہوا کہ کل رات سے اس وقت تک کوئی جہاز جیسا
نہیں گیا۔ اب فریدی نے ڈرائیور سے بھری اڑاے پر چلنے کو کہا۔

وہاں جا کر وہ بھری آفیسر سے ملا اور اپنا ”آئی ڈنی کارڈ“ دکھاتے ہوئے بولا۔ ”ہم لوگ رام
گذھ سے ایک بہت بڑے مجرم کا پیچھا کرتے ہوئے آرہے ہیں، جس نے اب تک مختلف مقامات
پر ہزاروں خون ڈاکے اور بیک میل کی وارداتیں کی ہیں۔ وہ بھیس بدلتے کاماہر ہے۔ اس کا پکڑا جانا
بیجد ضروری ہے۔ کیا کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ بھیس والے سے پہلے ہی گرفتار کر لیا جائے۔“
”یہاں سے واٹلیس کیا جاسکتا ہے، لیکن جب وہ بھیس بدلتے کاماہر ہے تو وہ کیسے پیچھا جاسکتا
ہے۔“ بھری آفیسر نے جواب دیا۔

”نہیں واٹلیس سے کام نہیں چل سکتا کیا ”بی بوٹ“ کے ذریعہ ہم لوگ جہاز کا پیچھا نہیں
کر سکتے؟“

”لیکن یو بوث کے لئے آپ کو اسکر جزل پولیس اور کمائٹنٹ چیف آفسر آف ایشون
کمائٹ سے اچابت لانا ہوگی۔“ بھری آفسر نے کہا۔
”اچھی بات ہے۔“ فریدی یہ کہتا ہوا سب لوگوں کو لے کر اسکر جزل کے بلڈ کی طرف
روانہ ہو گیا۔

جیسے ہی ماختر نے اپنا کارڈ بھیجا آئی تھی نے فوراً ان لوگوں کو بلوالیا، وہ ماختر کو دیکھتے ہوئے²
بولا۔ ”میں تو خود کل آپ کے بیہاں آ رہا تھا..... وہ اسٹر میٹھل ڈاکو ہے اور اس نے گورنمنٹ
کے کچھ تجارتی کاغذات بھی حاصل کر لئے ہیں۔ اس کاگر فیادر ہوتا ہے خد ضروری ہے۔“

فریدی اور ماختر نے مختصر انتہام حالات بیان کئے، جسے سن کر آئی تھی نے فریدی سے کہا۔
”مسٹر فریدی ہم آپ کے بے حد مخلوق ہیں کہ آپ نے اپنی جان کی پروافنہ کرتے ہوئے³
اس کاچھا نہیں چھوڑ۔ لیکن کیا آپ کو اس کا لیقین ہے کہ وہ اسی جہاز سے جیسا گیا ہو گا اور اس نے
اپنا حلیہ بھی بدل دیا ہو گا۔ آپ اسے کیسے پہچان سکتے ہیں؟“ آئی تھی نے پوچھا۔
”یہ سب آپ میرے اوپر چھوڑ دیجئے۔ لیکن اگر ذرا بھی دیر کی گئی اور جہاز جیسا چیز گیا تو
پھر ماتحہ نہیں لگ سکتا۔“ فریدی بولا۔

”اچھا تو میں ابھی کمائٹنٹ ان چیف صاحب سے مل کر آتا ہوں، آپ لوگ میرا تھیں
انتظار کریجئے۔“ وہ بولے۔

”میں تھوڑی دیر کے لئے بازار جاؤں گا کیونکہ اگر جہاز پر اس نے ہم لوگوں کو اصلی حالت
میں دیکھ لیا تو مشکل ہو جائے گی۔“ فریدی نے کہا۔
آئی تھی صاحب تو کمائٹنٹ چیف کے بیہاں رو انہوں نے بھی، اور فریدی حمید کو لے کر بازار چلا
گیا۔ ماختر اور اسکر جزل میں ان لوگوں کے انتظار میں بیٹھ گئے۔

فریدی بازار سے کچھ سامان خرید کر جب لوٹا تو معلوم ہوا کہ ابھی آئی تھی صاحب نہیں
تشریف لائے اور یہ سب لوگ چپڑا سی کے ساتھ باتحہ روم میں چلے گئے۔
تھوڑی دیر بعد فریدی مارواڑی، ماختر صاحب، پروفیسر اور اسکر جسل میں جیسے اور حمید جہاز کے
خلاصی بننے ہوئے باتحہ روم سے باہر نکلے۔

آلی جی نے موڑ سے اترتے ہوئے جب ان لوگوں کو دیکھا پھر مسکرا کر بولے۔ "آپ لوگوں نے خوب بھیس بدلاا ہے۔"

"اچھا یہ آرڈر بھیجے اور آپ لوگوں کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟" "آلی جی نے سوال کیا۔ "مجی نہیں..... اب بقیے کام ہم لوگ انجام دے لیں گے۔" فریدی نے کہا اور سب لوگوں کو لے کر موڑ کے ذریعہ بھری لاٹے کی طرف روانہ ہو گیا۔

آلی جی نے بھری آفیسر کو فون کر دیا تھا "یو بوث" بالکل تیار کھڑی تھی۔ فریدی نے بھری آفیسر کو "حکم نامہ" دیتے ہوئے کہا۔ " غالباً آپ نے جہاز کے کپتان کو واٹر لیس کر دیا ہو گا۔"

"ہاں میں نے اس کو ضروری ہدایات دے دی ہیں اور جہاز کی رفتار کم کر دینے کو بھی کہہ دیا ہے۔" آفیسر نے جواب دیا۔

"بس ٹھیک ہے..... حمید جلدی سے بیٹھو۔" فریدی "یو بوث" کے پاس آگر بولا اور سب لوگ جلدی اس میں سوار ہو گئے اور یو بوث تیزی سے پانی کے اندر روانہ ہو گئی۔

"باپ دے باپ..... کتنا اخطر ناک سفر ہے۔" حمید ڈر کر بولا۔

فریدی نے اس کی بات پر کوئی دھیان نہیں دیا اور وقت دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس وقت گیارہ بجے ہیں۔ ہم لوگ اس سے صرف پانچ گھنٹے پہنچے ہیں۔"

فریدی کے چھرے پر عجیب قسم کے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔ جسے صرف حمید ہی سمجھ سکتا تھا۔ اس نے اس وقت فریدی کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ یو بوث تیزی سے سمندر کی گہرائیوں میں بھاگ رہی تھی۔

شام ہو چکی تھی۔ فریدی کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے کپتان سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ صرف ایک گھنٹہ کا فاصلہ اور رہ گیا ہے۔ فریدی حمید وغیرہ کو ضروری ہدایات دینے لگا۔

ایک گھنٹہ بعد جہاز کا سکھل دکھائی دیا اور تھوڑی دیر بعد یو بوث جہاز کے بالکل قریب تھی۔ جہاز دو منٹ کے لئے رکا اور یہ لوگ جلدی جلدی جہاز کے بالکل نچلے حصے میں داخل ہو گئے، جہاز پھر روانہ ہو گیا۔

پکستان نے ان لوگوں کو پوشیدہ طور پر دوسرا درجے کے ایک کیben میں پہنچا دیا اور یہ لوگ ایک سافر کی حیثیت سے سفر کرنے لگے۔

کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ یہ لوگ کھانے کے میز پر آگئے بیٹھ گئے۔ جہاں دوسرے سافر پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ حمید نے خلاصی کے بھیس میں آگئے میز صاف کی، جس پر کھانا جھن دیا گیا۔ لوگ کھانے میں مصروف ہو گئے۔ فریدی کھانا کھاتا کھاتا تھا اور سافروں کو غور سے دیکھتا بھی جاتا تھا۔ لیکن کسی نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔

کھانا کھانے کے بعد سب لوگ اپنے کیben میں لوٹ آئے۔ تھوڑی دیر بعد حمید داخل ہوا۔

”کچھ پتہ چلا.....!“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں..... میں قریب قریب پورا جہاز گھوم آیا۔“ حمید نے جواب دیا۔

”اچھا اب تم جا کر سور ہو..... اب صح دیکھا جائے گا۔ اس وقت ممکن ہے کسی کو ہم لوگوں

پر شبہ ہو جائے۔“ فریدی نے کہا۔

حمد پڑا گیا۔ فریدی ماہر اور دونوں انپکڑ اپنے اپنے بستر دل پر لیٹ رہے۔ دن بھر کی دوڑ

دھوپ اور رات بھر جانے کی وجہ سے یہ لوگ فور اسے گئے۔

صح سویرے ہی فریدی کی آنکھ کھلی وہ اپنا بیس وغیرہ درست کر کے کیben سے باہر نکلا۔

قریب قریب تمام سافر جاؤ چکے تھے، اور ڈیک پر کچھ لوگ کھڑے ہوئے صح کے سہانے مختصر

اور سمندر کی مختندی ہواؤں سے لطف انداز ہو رہے تھے۔ فریدی بھی ڈیک پر چڑھ گیا اور سمندر کی

طرف دیکھنے لگا کہ یک اس کی نگاہ ایک انگریز پر پڑی جو چڑے کے ایک بٹے سے تمباکو نکال

کر سکر رہت تھا۔ فریدی نے غور سے بٹے کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھیں خوشی سے چمک

اٹھیں، اور وہ آہستہ آہستہ ڈیک سے اترنے لگا۔

ڈیک سے اترنے والے فوراً اپنے کیben میں آگیا۔ ماہر اور دونوں انپکڑ بھی جاؤ چکے تھے۔

”آپ لوگ جلدی سے تیار ہو جائیے۔ دشمن مل گیا۔“ فریدی نے ماہر سے کہا۔

”ہمایاں!“ ماہر نے تعجب سے پوچھا۔

”انگریز کا بھیس بد لے ہوئے ڈیک پر کھڑا ہے۔ آپ لوگ ابھی اپنے اپنے پتوں جیب میں

رکھ کر ڈیک پر فوراً بچن جائے۔ لیکن اس کو ذرا بھی شبہ نہ ہونے پائے۔ میں کپتان کے پاس جارہا ہوں تاکہ حمید کو آگاہ کر دوں۔“

فریدی یہ کہتا ہوا جلدی سے کپتان کے کیبن کی طرف روانہ ہو گیا اور حمید کو ہدایات دے کر وہ فوراً ڈیک پر بچن گیا۔

اگر یہ اطمینان سے سُریٹ کے لبے لبے کش کھنچ رہا تھا۔

”جاپر اگر تم اپنی جگہ سے ذرا بھی ملے تو گولی تمہارے سینے کے پار ہو گی۔“

اس نے پلٹ کر دیکھا تو ایک مارواڑی سامنے پستول ٹانے کھڑا تھا۔

اگر یہ کے چہرے پر پریشانی پھیل گئی..... لیکن فوراً ہی سکراہٹ پیدا کرتا ہوا بولا۔

”مسٹر آپ کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے..... میں وہ.....!“

اتھے میں ایک فائز کی آواز سنائی دی۔..... اور اگر یہ تیور اکرز میں پر گرپا۔..... ماختر اور

وہ دونوں اسکرٹر اس پر جمع ہے۔

فریدی چلا یا..... لیکن وہ لوگ بالکل قریب بچن پکھے تھے اور اب ماختر کا پستول اس اگر یہ

کے ہاتھ میں تھا۔

فضا میں دو فائزوں کی آوازیں گو نہیں..... اگر یہ کے ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا اور پستول

زمیں پر پڑا تھا۔..... اب اگر یہ ماختر اور اسکرٹر کی گرفت میں تھا۔

”آپ لوگوں نے تو کہاں ہی کر دیا تھا۔“ فریدی نے ماختر سے کہا۔

”لیکن بھی ابھی تک میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ پہلا فائز کیسا تھا۔“ ماختر بولا۔

”وہ دیکھئے.....!“ فریدی نے ڈیک کے کنارے اشارہ کیا۔..... جہاں ایک آدمی خون

میں لٹ پت پڑا تھا۔.....“ یہ جابر کا ساتھی ہے، جو پچھے سے میرے اوپر جملہ کرنا چاہتا تھا۔.....

اور حمید نے اس پر فائز کر دیا۔ فائز کی آواز سے اس نے یہ قائدہ انخلاء جسے آپ لوگ نہ سمجھ سکے اور

یہ دوسرا فائز آپ پر کرنا چاہتا تھا کہ میں نے گولی چلا دی۔“

جابر کو گرفتار کر کے فریدی نے اس کے منہ پر کپڑا بندھوا دیا تھا اور اب یہ لوگ اسی

”بوبوٹ“ کے ذریعہ جابر کو لے کر واپس ہو رہے تھے۔

راستے میں حید اور ماہر نے فریدی سے بہت سوالات کئے لیکن اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ
”اب عدالت ہی میں میر ایمان نہ تھا۔“

ماجرائسنے

نواب زادہ شاکر کے قتل..... شہر میں آتش زدگی..... خون..... سرکاری تجارتی
تمکات کی چوری اور دوسرے دیگر ازمات کے سلسلے میں جابر کا مقدمہ آج عدالت میں جیش
ہونے والا تھا۔ نواب زادہ شاکر کے قتل کے سلسلے میں کورٹ فنر علی خاں پر دو مقدمے تھے۔ کرہ
عدالت میں طریقہ کے کثیرے میں انہیں بھی دیکھا جاسکتا تھا۔ کورٹ فنر کی آنکھیں آج پہلی بار
چکل رہی تھیں انہوں نے فریدی کی جانب کئی بار دیکھا اور اشاروں ہی اشاروں میں رسم کی
درخواست کی۔

جابر تنہا کھڑا تھا۔ تماشا یوں کا تھٹ کا تھٹ ایسے بھائیک آدمی کو دیکھنے کے لئے بے ہاپ
تھا۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ایک آدمی اپنی یا تمیں کس طرح کہہ سکتا ہے۔ جوان کی سمجھ سے
بلا اتر ہے۔ بذات خود حید بھی جابر کے حالات سے زیادہ واقعہ نہ تھا۔ صرف سبکی ایک معاملہ ایسا
روکھا پھیکا ہوا تھا جس میں اسے کوئی عورت نہ مل سکی تھی اور اگر ملی، بھی تو زبردستی یہوی بن کر
چکر دے گئی۔

آخر وہ عورت کون تھی؟

غزال اور نواب رشید الزماں بہت خوش تھے..... ان کا محبوب فریدی جابر کو پکڑ لایا تھا۔
کیسی کیسی بدگانجیوں کو انہوں نے اپنے دل میں جگد دی تھی۔

بیچارہ طارق ”شکاکی“ کے افسوس میں تھا۔ مگر پھر بھی افسردہ نہ تھا۔

اواس صرف سعیدہ تھی۔ اس کا دل دعا میں مانگ رہا تھا کہ کورٹ صاحب بے گناہ ثابت ہوں۔
اس عدالت میں لیغینٹ باقر کی عدم موجودگی نہی طرح لکھ کر رہی تھی۔ لوگوں کا خیال

تحاکہ شاید وہ یعنی وقت پر آئیں۔

غرضیکہ ہر شخص انپکٹر فریدی کا بیان سننے کے لئے بے تاب تھا..... واقعات کچھ اس طرح ظہور میں آئے تھے کہ گری ہیں جب تک نہ کھلیں جابر کا گرفتار ہونا ہی کافی نہ تھا۔
ٹھیک دس بجے مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ پولیس کے مقامی افسران کے رسمی بیان کے بعد انپکٹر فریدی کا بیان شروع ہوا۔

"میرے بیان کے تمام کاغذی ثبوت میں شامل ہیں۔" فریدی نے اپنا بیان دیتے ہوئے کہ،
"میں سب سے پہلے یہ غلط فہمی دور کر دیا چاہتا ہوں کہ یقینیت باقر اور جابر دو علیحدہ شخصیتیں نہیں..... دراصل باقر اور جابر ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں..... جابر کون ہے؟ اس پر تصوری سی روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ تعلیم کا غلط استعمال اور انسانی خواہشات کاحد اعتدال سے آگے بڑھنا کسی حد تک انسان کو گراہ کر سکتا ہے۔ اس کی زندہ مثال جابر کی گذشتہ زندگی کے واقعات ہیں۔ مجرموں کے کثہ میں کھڑا ہوا یہ بیت ناک اور بھیاںک شخص آگسغورڈ یونیورسٹی لندن کا قلقہ میں ڈگری یافتہ ہے اور جرمی کے زیورات کا لج سے شبہ سائنس کا ایم۔ اے ہے۔ ابھی خاصے عرصہ تک یہ پروفیسر بھی رہا ہے۔ اس کی ماں جرمی خاتون تھی اور باپ ہندوستانی۔ اس کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی۔ حالات کی بد قسمی کہ اس نے بچپن میں اپنے ہندوستانی ساتھیوں کے ہاتھوں کافی ذات اخہلی اور اس وقت سے اس کے دل میں ہندوستانیوں کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا ہوا۔ زمانہ شباب میں یہ لندن پہنچا۔ وہاں سے قلقہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ جرمی گیا۔ وہیں سائنس کے تجربات اور تازیت کی بڑھتی ہوئی طاقت نے اس کا دامغہ دوسرا راستوں پر ڈال دیا۔ ڈاکٹر گوموبلو کے محلہ جاہوی میں رہ کر اپنا بھیس بدلتے، آواز تبدیل کرنے کا طریقہ سیکھا اور اس سلسلے میں خود بھی اس نے کچھ ایجادوں کیں۔ "لڑائی کے زمانے میں ایک جاہ کن گیس باتے وقت اس کی ناک پر کچھ بھاپ آگئی اور وہ گل گئی۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ تھا۔

جرمنی کی ہار کے بعد اس کی مالی حالت گرنے لگی۔ اسے کیما بنا نے کا شوق ہوا اور اس شوکی بناء پر اس کی ملاقات و نجیت نگر کے والی گرام سکھ سے ہوئی اور اسی شوق نے موصوف کی جان

لی۔ مو صوف کی جنگی بیماریاں تھیں ایک افسانہ ہیں۔ جابر کے زہر نے انہیں مارا۔ ان سے وہ نجت تو اسے نہ مل سکا لیکن رنجیت گور کے راج مکار بننے کا شوق اسے ہندوستان تھیجا لایا۔ اس کے پچھائے والوں میں سے دو اس کا شکار ہو گئے اور ایک اس وقت ساجد کے روپ میں گواہ ہے۔

بینی ہی میں اسے پتہ لگا کہ نواب زادہ شاکر رام گڑھ کا مشہور نواب سوناتا نے کا نجٹ رکھتا ہے۔ اس کے پاس کچھ ایسی کتابیں ہیں جن کے باتیے ہوئے اصولوں پر عمل کر کے انہیں ہزار ہا سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ جابر نے نواب زادہ شاکر سے خط و کتابت کی۔ مگر اس میں اسے ناکامیاں ہوئی۔ وہ رام گڑھ آیا۔

نواب زادہ شاکر کے شریک کارکنور ظفر علی خاں بھی تھے۔ سوناتا نار ہو جانے کے بعد نواب زادہ شاکر نے کنور صاحب کو حصہ دینے سے انکار کیا۔ اپنی ایک کتاب پر کنور صاحب نے نواب زادہ کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اس کا حصہ نہ دیا تو وہ اسے جان سے مارڈالیں گے اور اس کے بعد رات میں وہ پھر نواب زادہ سے ملے۔ انہوں نے اپنے حصے کا مطالبہ بھی کیا اور اپنی تحریر بھی واپس مانگی۔ جابر کے علم میں یہ باتیں تھیں۔ اس نے تجھ صدیق احمد کے بہترین خوب صورت شیرازی پاموز کبوتر کے جوڑے میں سے ایک کبوتر چاکر اور اسے زہر بیا چھلا پہننا کر نواب زادہ کے برآمدے میں چھوڑ دیا۔ نواب زادہ کبوتروں کے رسیا تھے۔ مگر وہ کبوتر اٹھاتے ہی چھلا منہ سے لگا اور زہر سر ایت کرنے لگا۔ نمیک اسی وقت کنور ظفر علی خاں ان کے پاس آئے۔ نواب زادہ کو مردہ دیکھ کر ان کے رو تکنے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنی تحریر بھاڑی اور بھاگ گئے۔ جابر کا آدمی ان کی اس حالت کی تصویر حاصل کر چکا تھا۔ غالباً یغشینش باقر کی طرف سے دائر کردہ مقدمہ میں ان کے خلاف بھی ثبوت پیش کیا جاتا۔

کنور ظفر علی بے گناہ ہیں۔ غصہ اور جھنجڑاہٹ کی اس تحریر پر انہیں پیشانی بھی تھی اور انہوں نے نواب زادہ کے نام ایک مذدرت نامہ بھی لکھا تھا، جو مسل میں شامل ہے۔“

اتا یا ان پڑھ کر فریدی رکا..... سامیعن پر بالکل خاموشی طاری تھی۔ سیدہ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ تھوڑی دیر تھر نے کے بعد فریدی نے اپنا یا ان پھر شروع کیا۔

”جابر نے ظفر..... نواب رشید الزماں وغیرہ کو میرے خلاف کرنے اور میرے راستے

میں روزاں اتنا نے کے لئے میرا بھیس بدلت کر ان کے گھر پڑا کہ ڈالا اور ان کے گھر سے ان کی کتاب (جود را صل نواب زادہ شاکر کی طلیت تھی) لے آیا۔ اور نواب زادہ شاکر کی لاپریری میں اتفاقاً میرے ہاتھ وہ کتابیں لگیں جن کی جابر کو علاش تھی۔ لیفٹینٹ باقر کا قصہ سننے کے بعد ہی میرا ماتحا نہ کا تھا۔ بھی کے مشہور سیٹھوں کے یہاں جواہرات کی چوری کے اطلاعات میں بھی میرے پاس تھے۔ لاپریری ہی میں مجھے وہ پرچہ ملا۔ جس میں نواب زادہ شاکر کے سوتیلے بھائی کے کچھ حالات تھے۔ لیفٹینٹ باقر اور جابر کا ایک ہی دن بھی جانا تھا اور کھنکا۔ جابر کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ میں اس کا پیچھا ضرور کروں گا۔ اس نے میرے رد کرنے کے تمام انتظامات کئے۔ مگر وہ ناکام رہا۔ لیکن حالات نے ہمارا ساتھ نہ دیا۔ میں اتفاق کے ہاتھوں ریلوے کی انتظامی کارروائی یعنی ڈپ کٹ جانے کی وجہ سے اس کا پیچھا نہ کر سکا اور حمید کو اس کی ایک پہنونے چکا دیا۔

بھی سے واپسی پر وہ شاکر کے سوتیلے بھائی کے مفصل حالات معلوم کر پکا تھا۔ ان کی ایک تصویر اور قدیم خاندانی حالات حاصل کر کے وہ یہاں آیا۔ فرضی ثبوت اور دلائل..... خاندان میں سعیدہ کے علاوہ اور کسی رشتہ دار کا عدم وجود اس کو کامیاب بنایا۔

اس نے اپنے آپ کو چچجھ باقر ثابت کرنے کے لئے بڑے پاپڑ بیٹے۔ افران کی دعویٰ کر کے اس نے انہیں یہ بھی موقع نہ دیا کہ وہ اس کے بارے میں کچھ سوچ سکیں۔ سعیدہ کے ہم جانید ارجمند کر کے اس کا بھی منہ بند کر دیا۔

اپنے ساتھ لائے ہوئے ایک بیکار نوجوان کو اپنا لڑکا مشہور کر کے اور پھر خود ہی اسے سُگریٹ میں زہر دے کر اور اس کی موت پر فرضی آنسو بہا کر اس نے سب کا دماغ ماؤف کر دیا۔ کسی شخص کا خیال بھی اس طرف نہ جا سکا لیکن کنور ظفر علی خاں مجھ سے بھی اور اس سے بھی دونوں سے مخلوق تھے۔ آگ لگنے سے پہلے وہ نواب زادہ شاکر کے مکان کے پچھلے حصے کی طرف گئے۔ کئی روز پیشتر انہوں نے کچھ لوگوں کو مخلوق حالتوں میں اور گھوٹ دیکھا تھا۔ سہی کرید انہیں اس طرف لے گئی۔ اس وقت آگ لگی۔ وہ بھاگے جابر کے آدمی نے گولی چلائی اور وہ زخمی ہو گئے۔ یہ غلط بہ کہ وہ پولیس کی گولی سے زخمی ہوئے۔ ہسپتال میں آپ بیش کے بعد نکالی گئی گولی اس کا ثبوت ہے۔

مجھے اسی وقت شیبہ ہوا تھا اور اسی لئے میں نے نواب رشید الزماں وغیرہ کو ماتھر صاحب کے گھر جانے کی پدایت کی تھی۔ یہ لوگ گئے گھر لوٹ آئے۔

مجھے اپنے ہوش کے کمرے میں گذشت روز کی آگ اور قتل کے واقعات سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ میرے اوپر بھی حملہ ہو گا۔ اس درمیان میں طارق کے ذریعہ مجھے اطلاع ملی کہ یغثیثت باقر مجھ سے تجھائی میں باتیں کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے احتیاطاً وہ دو توں کتابیں جن کی جابر کو حلاش تھی محفوظ کر دیں اور خود باقر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان کے جانے کے بعد عی مجھے لاپتہ ری ہی میں جابر اور نواب زادہ شاکر کے خطوط ملے۔ مجھے ایسے کاغذات بھی ملے جن کی بناء پر جابر باقر بننا پھر تھا۔ میں نے اس کی وہ کتاب بھی دیکھی تھی جو وہ انسانی اعتناء کی ساخت پر لکھ رہا تھا۔ اس کی تحریر کی تازگی یہ تاریخ تھی کہ یہ بھی لکھا گیا ہے۔

دوسری طرف میرے ذہن میں جابر کی تحریر بھی تھی۔ چنانچہ مجھے یقین ہو گیا کہ جابر اور باقر ایک ہی شخصیت کے دوناں ہیں۔ جابر کی اسی وقت آمد اور مجھے تہہ خانے میں قید کرنا اور میرے لئے یقین کا باعث بن گیا۔

مجھے قید کرنے کے بعد اس نے میرا بھیں بدلت کر ایک طرف مجھے مر عوب کر کے کتابیں حاصل کرنا چاہیں دوسری طرف حمید کو قید کر کے ایک کانٹاراہ سے ہٹالیا۔ تیری طرف نواب صاحب وغیرہ سے زبردستی تحریر لکھوا کر ان سے روپیہ بھی ایٹھا اور انہیں میرا دشمن بھی بنا دیا۔ ”بیان کی طوالت کے باوجود ہر شخص ہمہ تن گوش تھاں فریدی پھر رکا اور حمید کی طرف مکراتے ہوئے اس نے اپنا بیان شروع کیا۔

میں کس طرح چھوٹا..... یہ محض اتفاق تھا۔ جابر نے مجھے چوہ میں گھنٹے کی مہلت دی تھی۔ ۱۸ گھنٹے گذرنے کے بعد شام کو جابر کا نوکر جب تہہ خانے میں یہ پر رکھنے آیا تو بکلی کی طرح میرے ذہن میں ایک خیال گونجا۔ میں نے ملازم کے جاتے ہی اپنے بندھے ہوئے ہاتھوں سے یہ پ توڑا اور یہ پ کی عتی کی آگ سے اپنے ہاتھ میں بندھی ہوئی رہی کو جلا تارہ بہا تھے مکلنے کے بعد میں آزاد تھا۔ دوسرے ہی کمرے میں حمید بند تھا اور اسے چھڑانے کے بعد میں نکلا۔ حمید نے جابر کی گفتگو سنی تھی اور اس کا خیال تھا کہ وہ مکلتے جائے گا۔ اس لئے کہ کچھ سر کری تجدیتی تسلکات

کی ہندیاں اس کے ہاتھ لگ گئی تھیں جنہیں وہ جیلوں میں بھنا چاہتا تھا۔ سیدہ کے بیان نے اس کی تصدیق کر دی اور ہمیں کلکتہ اور پر کلکتہ سے بھری ستر کے ذریعہ جابر کو گرفتار کرنا پڑا۔ میر ایمان ختم ہوا ہے لیکن اب چیز تھیں سمجھیں رعنی جاتی ہے اور وہ ہے کیسا کافی جابر اس کی طاش میں قاتل میں نہیں جانتا کہ وہ اسے حاصل کر سکایا تھا۔ بہر حال مجھے وہ نہ مل سکا۔"

فریدی بیٹھ گیا۔ کرہ عدالت میں سنا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے طوقان اپنی بیت تاک آواز کے بعد نہیں گیا ہو کہ اچانک زنجیریں کھڑ کھڑا میں اور جابر نے اشارہ کیا۔ نجی صاحب کے حکم پر اس کامن کھول دیا گیا۔ اس نے کہا۔

"میرے بارے میں فریدی صاحب نے جو بیان دیا ہے وہ حرف بحرف صحیح ہے۔ میری سوانح عمری جس مشکل سے جرمن زبان میں لکھے ہوئے خطوط سے انہوں نے مرتب کی ہے وہ لائق تحریف ہے۔ مجھے اپنے جرام کا اقبال ہے لیکن میری داستان ابھی تھنڈے سمجھیں ہے۔ میری ایک آرزو ہے کہ میرے ہاتھ کھول دیے جائیں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا..... بلکہ ایک پھر ہوئے راز کا انکشاف بھی ہو جائے گا۔ فریدی صاحب جانتے ہیں کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔"

لوگوں میں کھسر اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ اتنے میں نجی صاحب کے حکم سے چار سپاہیوں کے علاوہ فرید و دو سپاہی تکنیں لے کر اس کے گرد کھڑے ہو گئے۔ حید کا ہاتھ اپنے پستول پر جالا اور جابر کی ہٹکڑیاں کھول دی گئیں۔ اس نے پر سکون لے چکیں کہا۔

"فریدی صاحب! کیسا کافی اور آپ کی دانت میں محفوظ جگہ پر رکھی ہوئی کتابیں میں نے حاصل کر لی تھیں۔ کتابیں سمندر میں ڈوب گئیں لیکن نہ میرے پاس ہے۔ میں جو چاہتا ہوں اسے حاصل کر لیتا ہوں۔" کہتے ہوئے اس نے اپنے چہرے سے مصنوعی تاک انھائی۔

دہشت اور خوف سے غزال اور سیدہ کی چینیں نکل گئیں۔ بھیانک چہرہ اور بھیانک ہو گیا تھا۔ جابر نے قبضہ لگایا۔ اپنی تاک کے اندر سے اس نے کاغذ کی پڑیاں کھالی۔ "یہ ہے وہ نجی فریدی صاحب..... میں اعضاء جسمانی کی ساخت کاماہر ہوں۔ یہ تاک بڑی کار آمد ہے۔" فریدی نجی

لینے کے لئے آگے بڑھا۔

"مگر غمہ ریتے..... اس میں زہر ہے..... سونا حاصل کرنے کی کوشش کا نتیجہ زہری
ہوا ہے۔ کہتے ہوئے اس نے وہ پڑیاںہ کے اندر رکھ لی..... آدھا سینٹ بھی نہ گذر اتحاکہ وہ تیورا
کر گرا اور ناک اس کے ہاتھ سے فوراً آچھوٹ گئی۔"

تحوڑی دیر کا ہنگامہ سکوت میں بدلتا گیا۔ جابر کی لاش سے شدت کی بوچھل ری تھی اور

عجیب طرح کا نیلا پانی اس کے منہ سے نکل رہا تھا۔

کمرے میں گہر انساناں مکورے لے رہا تھا۔

ختم شد